اللہ اکبر

تاریخ الدولتین

Sam

عہد بنی اُمیہ و بنی عباس پر مدلل و مفصل تبصرہ

بمعہ

مختصر حالات عہد نبویؐ و خلفائے راشدینؓ

طابع و ناشر:- ناہید الٰہی پبلشنگ ہاؤس لاہور
مطبوعہ:- منصور پرنٹنگ پریس، راوی روڈ لاہور

قیمت چھ روپے آٹھ آنے

تعداد پانچصد پہلی مرتبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حضرت امیر معاویہ صحابی رسول تھے اسلئے ان سے کچھ غلطیاں ہوئی ہیں لیکن انہیں برا بھلا کہنا ٹھیک نہیں ہے

139

تاریخ الدولتین

سمجھ نہیں آیا کہ مولف نے امیر معاویہ کا جو کردار پیش کیا ہے وہ حقیقتاً ایسا ہی تھا اگر ایسا تھا تب حضو... مولف نے اُن کو امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کیوں لکھی

مؤلفہ

مولانا علامہ نیاز فتحپوری

مقتبس از

تاریخ التمدن الاسلامی جزو دوم مؤلفہ جرجی زیدان

گزارش

اس قدر مدلل و مفصل تاریخ عہد بنی عباس و بنی امیہ
ابھی تک پاکستان کے کسی ناشر نے شائع نہ کی تھی۔
ہمیں فخر ہے کہ ہم نے یہ اہم کام انجام دیا ہے!
آپ کی گرانقدر رائے ہمیں مزید کام کرنے کا موقع دیگی

ناشر

تاریخ الدّولتین

عہد بنی امیّہ و عہد بنی عباس

پر

مدلّل و مفصّل تبصرہ

پیشکش

اظہر پبلشنگ ہاؤس ——— لاہور

سول ایجنٹس برائے مغربی پاکستان

ظفر برادرز

بنک سکوئر۔ دی مال لاہور

اپنے پیارے والدین

کے نام

جن کے نیک مشوروں سے میں نے سلسلہ اسلامیات شائع کرنا شروع کیا

یہ کتاب بھی انہیں کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔

ظفر

باب اوّل

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

جس وقت ہم تاریخ خلافت یا بالفاظ دیگر حکومت عرب کی تاریخ پر نظر ڈالتے ہیں تو باعتبار دور سیادت ہم کو دو زمانے صداجداگانہ نظر آتے ہیں۔ ایک تو وہ جب حکومت بالکل اعراب کے ہاتھ میں تھی اور سارا نظام انہیں کے دماغ کے زیر اثر قائم تھا اور دوسرا زمانہ وہ جب اس میں عجمی عنصر شامل ہو گیا اور غیر اعراب کو بھی حکومت و سیادت کے مسائل میں درخور حاصل ہونے لگا۔ ظاہر ہے کہ ان دونوں زمانوں کے طرز حکومت انداز سیاست و اصول نظام میں بہت فرق رہا ہوگا اور اس کتاب کا اصل موضوع اسی فرق کی تاریخ مرتب کرنا ہے۔

پہلا زمانہ تو لعبثت نبوی سے شروع ہو کر زوال بنی امیہ کے ساتھ ختم ہو جاتا ہے اور دوسرا دور آل عباس کی حکومت سے شروع ہو کر اس وقت ختم ہوتا ہے جب رفتہ رفتہ حکومت عرب بالکل عجمیوں کے ہاتھ میں چلی گئی۔ لیکن اگر غور کیا جائے تو عہد اول کی بھی دو تقسیمیں ہو سکتی ہیں۔ ایک وہ جب عنان سیادت

خلفاء راشدین کے ہاتھ میں رہی اور دوسری وہ جب عہد بنی امیہ میں حکومت کی بنیاد خالص مذہب و روحانیت پر قائم نہ رہ سکی اور شاہان عجم کی سی شان و شوکت سطوت وجبروت نمائش و آرائش آہستہ آہستہ اُن میں پیدا ہونے لگی چونکہ ان دونوں زمانوں کے اصول حکومت ایک دوسرے سے بالکل مختلف تھے اور مختلف ہونا چاہئیں تھے۔ اس لئے ہمارا فرض ہے کہ نہایت مختصر طور سے اس اختلاف کی نوعیت کا بھی ذکر کریں۔ تاکہ تاریخ خلافت میں جو تدریجی عروج و زوال ہوا ہے اچھی طرح سمجھ میں آئے۔

چونکہ موضوع شبہات کے لحاظ سے عہد نبوی و زمانہ خلفاء راشدین پر بھی ایک سرسری نظر ڈالنا ناگزیر ہے اس لئے ضرورت ہے کہ سب سے پہلے قبل بعثت اسلام جو قومی و معاشرتی خصوصیات اعراب میں پائی جاتی تھیں، مختصر الفاظ میں ان کا ذکر کر دیا جائے تاکہ جو تغیرات بعد بعثت اُن میں ہوئے ہیں۔ وہ آسانی سے معلوم ہو سکیں۔

اعراب کی زندگی کا انحصار ہمیشہ سے زراعت اور گلہ بانی پر رہا ہے، اور انہی دونوں مشغلوں نے ان کے دو گروہ جدا کر دیئے تھے۔ وہ لوگ جو زراعت کرتے تھے مجبور تھے کہ جب تک کھیتیاں پک نہ جائیں ایک جگہ قیام کریں اور اس طرح جھونپڑے بنا کر قریہ و دیہ کی بنیاد ڈالیں اور وہ لوگ جنہوں نے صرف مویشیوں کی پرورش کو ذریعہ معاش قرار دیا تھا منتشر رہنے پر مجبور تھے، اور ہر آنے والے دن میں ان کو نئی چراگاہ و نئے چشمہ کی تلاش میں سرگرداں رہنا پڑتا تھا۔

چونکہ ریگزار عرب میں کاشت کے لئے زمین نہ تھی اس لئے گروہ اول سرزمین مصر، شام و فارس وغیرہ میں پھیل گیا۔ اور دوسرے گروہ کے لوگ جنہوں نے چراگاہ اور چشموں کی تلاش میں زیادہ کاوش نہیں کی صرف بادیہ العرب میں گھوم گھوم کر رہ گئے، اور جنہوں نے اس پر کفایت نہیں کی۔ وہ بادیہ سے باہر نکل کر ترکستان

خراسان کی دیواروں تک پہنچ گئے۔ غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے، کہ جانور پالنے والے اعراب میں بھی دو گروہ تھے۔ ایک وہ جو صرف اونٹوں کو پالتا تھا اور دوسرا وہ جو بھیڑ بکریوں کے ریوڑ پر زندگی بسر کرتا تھا۔ اول الذکر گروہ وہ ہے جسے بدوی کہتے ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ ان کے پیشے نے انہیں بالکل صحرائی مخلوق ہو جانے میں بہت مدد کی۔ چونکہ صرف پہاڑیوں کی پیداوار اونٹوں کی پرورش کے لئے کافی و مفید نہ تھی۔ اس لئے یہ لوگ مجبور تھے کہ صحرا کے اندر نفوذ کر کے نہ صرف وہاں کے خس و خار سے اونٹوں کی طبعی غذا مہیا کریں، بلکہ کھاری پانی بھی انہیں پلائیں کہ ان کی صحت و عافیت کا انحصار اسی پر تھا۔ پھر اس کے علاوہ موسم سرما میں یوں بھی اس گروہ کو سرسبز و آباد مقامات چھوڑ کر ریگستان کی راہ اختیار کرنی پڑتی تھی۔ کیونکہ اونٹ سردی کی تکلیف کو برداشت نہیں کر سکتا اور ایام سرما میں اس کو گرم مقامات کی بالکل اسی طرح ضرورت ہوتی ہے جیسی امراء کو سرد مقامات کی گرمی میں۔ اور جب تک وہ گرم آب و ہوا میں نہ ہو، نہ ان کی نسل بڑھتی ہے اور نہ قائم رہ سکتی ہے

چونکہ عرب میں اونٹ پالنے والے قبائل کو اپنے پیشہ کے لحاظ سے زیادہ تر صحرا میں زندگی بسر کرنی پڑتی تھی۔ اس لئے ان میں وحشت بہت زیادہ تھی اور وہی خصوصیات بڑھتی جاتی تھیں جو قدرتی طور سے ایسے لوگوں میں پیدا ہونی چاہیے آبادی سے انہیں تنفر تھا۔ مدنیت کی طرف سے ان کا فطری میلان ضعیف ہوتا جاتا تھا، مزاج کی برہمی بڑھتی جاتی تھی۔ جنگجو یانہ خصائل ان میں ترقی پا رہے تھے اسلحہ کا استعمال ان کا رات دن کا مشغلہ تھا، ریگستانی راہوں پر مسافروں کو لوٹ لینا ان کے لئے معمولی بات تھی، وہ اس سے واقف ہی نہ تھے کہ آرام و آسائش کیا چیز ہے، اونٹوں کا دودھ ان کی غذا تھی اور اونٹوں کی کھال ان کا ملبوس،

ریگستان ان کا بچھونا تھا اور صحرا کے سنسان مناظر طلوع و غروب ان کے اسباب تفریح۔

چونکہ عرب کی خاص آبادی زیادہ تر اسی گروہ پر مشتمل تھی۔ اس لئے جزیرہ نمائے عرب میں شہروں کی تعداد بہت کم تھی۔ اور قبل اسلام صرف چند مخصوص مقامات ایسے تھے جن کو شہر سے تعبیر کیا جا سکتا تھا حجاز میں مکہ، مدینہ اور طائف، یمن میں موب اور صنعا۔

یہ حالت تو بھی ان کی وحشت و درندگی کی، لیکن اخفا حقیقت ہوگا، اگر ان کے ساتھ ساتھ ان کے جذبۂ قوم پرستی و ہمدردی کی داد نہ دی جائے۔ ظاہر ہے کہ ان کا شیرازہ قومی قائم رکھنے کے لئے کوئی قوت حکومت و سیادت کی موجود نہ تھی لیکن جس طرح ایک مہذب و شائستہ قوم ایک بادشاہ کے زیر اثر قلعوں، شہر پناہوں، خندقوں کے ذریعہ سے دشمن کی مدافعت کرتی ہے، اسی طرح یہ لوگ بھی صرف شیخ قبیلہ کے فرمان پر اپنی تلواریں اور نیزے لے لیکر نکل کھڑے ہوتے تھے، اور اس وقت تک کہ یہ خود نشانہ ہو جائیں یا دشمن سے زمین کو صاف نہ کر دیں چین نہ لیتے تھے۔ پھر جس وقت دیکھا جاتا ہے کہ ان میں باہم اتفاق و ہمدردی کا قومی جذبہ کیوں موجود تھا، تو حیرت ہوتی ہے، کیونکہ نہ کوئی غرض ملک گیری کی ان میں مشترک تھی اور نہ قبل اسلام ان میں کوئی مذہبی اخوت قائم تھی اگر کوئی چیز انہیں ایک دوسرے سے وابستہ رکھنے والی تھی، تو وہ صرف ان کی زبان تھی، یا نسل اور جس پر فخر اور غرور کرنے کا جذبہ عام طور سے ان میں نہایت شدید پایا جاتا تھا۔

عربوں میں تمام آبادی مختلف خاندانوں میں تقسیم تھی اور پھر انہیں مختلف خاندانوں کا تعلق کسی ایک شخص خاص سے ہوتا تھا اور پھر اسی طرح یہ

تعلق بڑھتا جاتا تھا۔ یہاں تک مختلف خاندانوں کا سلسلہ ایک جگہ جا کر مل جاتا تھا۔
مثلاً ایک خاندان **ابوطالب** یا **عباس** کا تھا جس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے
گھرانے شامل تھے اور ان سب کا **بنو ہاشم** میں شمار ہوتا تھا۔ مختلف خاندان مل کر
فخذ بنتا تھا۔ جیسے **بنو ہاشم** و **بنو امیہ**، **بنو عبد مناف** سے متعلق تھے، پھر کئی
فخذ ایک بطن سے متعلق ہوتے تھے، جیسے بنو عبد مناف اور جو **مخزوم** بطن **قریش**
میں شامل تھے، اور چند بطن کا مجموعہ **عمارہ** کہلاتا تھا۔ جیسے **قریش** و **کنانہ**
عمارہ مضر سے واسطہ رکھتے تھے اور چند عمارہ سے مل کر ایک قبیلہ بنتا تھا جیسے
ربیعہ اور مضر قبیلہ **عدنان** میں شمار ہوتے ہیں۔ آخر میں چند قبیلوں کا تعلق ایک
شعب سے ہوتا تھا اور یہ نسب کے شمار کا انتہائی نقطہ تھا۔ جیسے **عدنان** اور
قحطان کا ایک ہی شعب میں شمار ہوتا ہے۔

تمام خاندانوں، قبیلوں کے اعضا میں رشتہ کے لحاظ سے ایک اتفاق اور
یک جہتی کی شان پائی جاتی تھی۔ ایک خاندان دوسرے خاندان کے مقابلہ میں ایک
بطن دوسرے بطن کے خلاف ایک قبیلہ دوسرے قبیلہ کی مخالفت میں آمادہ ہو سکتا
تھا لیکن دوسروں کے مقابلہ میں سب ایک ہو جاتے تھے اور ذاتی مخالفت کو دور
کر دیتے تھے۔ اس باب میں ان کا قول تھا کہ "میں اور میرا بھائی چچا کے لڑکے سے جنگ
کر سکتے ہیں، لیکن غیر کے مقابلہ میں مَیں اور میرا چچا کا لڑکا دونوں ایک ہیں"۔ اگر ایک
بطن کے مختلف خاندانوں میں جنگ ہے تو کوئی حرج نہیں، دوسرے بطن کے خلاف
وہ سب متفق و متحد الخیال نظر آئیں گے اور جب اس اتفاق کی ضرورت باقی نہ رہیگی
تو پھر ان کی وہی خانہ جنگیاں شروع ہو جائیں گی یہی اصول تھے جن کی بنا پر
بنو عباس اور **بنو ابی طالب** ایک دوسرے کے مخالف تھے، باوجودیکہ ان دونوں
کا تعلق ایک خاندان **ہاشم** سے تھا اور اسی طرح **بنو ہاشم** اور بنو امیہ میں

باہم جنگ رہتی تھی۔ اگرچہ دونوں بنو عبدمناف سے وابستہ تھے۔

ہر قبیلہ اور خاندان کے لوگ اپنی اپنی بہادری و شجاعت پر فخر کرتے تھے۔ اور اپنے دلیرانہ کارناموں کو اپنے مخالفین کے سامنے بیان کیا کرتے تھے اور دشمنوں کے ہجو ان کے سامنے نہایت آزادی سے کرتے تھے۔ تاریخ عرب میں اس اظہار فخر کی بہت سی داستانیں پائی جاتی ہیں۔ جن کا ذکر یہاں بے محل ہے لیکن ان سب میں مشہور قحطانیوں اور عدنانیوں کی داستان رقابت ہے۔ جسے آپ عرب کی ہر تاریخ میں دیکھ سکتے ہیں۔ لیکن یہ عجیب بات ہے کہ یوں تو ان دونوں میں ہمیشہ جنگ رہی۔ لیکن جب غیر اعراب کا مقابلہ ہوا تو وہ دونوں اپنی ذاتی مناقشات کو بھول گئے اور ان کو عجمی اور اخزر کہنے میں سب ہم آہنگ نظر آنے لگے۔ ہر چند سب سے پہلے لفظ عجمی فارس والوں کیلئے استعمال کیا گیا تھا لیکن رفتہ رفتہ ہر اس قوم کے لئے جو غیر عرب ہو مستعمل ہونے لگا۔

اعراب اور اہل فارس کے درمیان نہایت قدیم زمانہ سے عداوت چلی آتی تھی۔ جس زمانہ میں سلطنت فارس عروج پر تھی تو انہوں نے اعراب کو بارہا اپنے ملک کی حدود سے باہر نکال دیا تھا اور اعراب نے بارہا ان کے شہروں پر ظہور اسلام سے بہت زمانہ قبل حملے کر چکے تھے۔ جب شاہ پور بادشاہ ہوا تو اس نے بہت سے اعراب کو پکڑ کر قید کر لیا اور جنہوں نے حدود سلطنت روما کو عبور کر کے بھاگ جانا چاہا۔ ان کو تہ تیغ کرا دیا۔ اس نے بحرین کے تمیمیوں کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا عرب و فارس کے درمیان یہ مخالفت اس وقت تک دور نہیں ہوئی جب تک پانچویں صدی عیسوی میں قحطانیوں نے حبشیوں کا حملہ روکنے کے لئے کسریٰ سے استمداد نہیں کی۔ کسریٰ نے اس فرصت کو غنیمت جان کر ایک زبردست فوج بھیجی اور دشمنوں کو نکال کر

خود اعراب پر حکومت کرنے لگا۔ جب ظہور اسلام ہوا اور عربوں کی کھوئی ہوئی سلطنت پھر ہاتھ آئی۔ تو اہل فارس مغلوب ہو گئے اور وہ نفرت جو غیر اعراب سے عربوں کے دلوں میں پائی جاتی تھی، بعد کو پھر عود کر آئی۔

تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ ہرچند اعراب میں رشتۂ اخوت و ہمدردی زیادہ تر باپ کی نسل سے زیادہ وابستہ تھا یعنی ایک ہی باپ، ایک ہی دادا ایک ہی پردادا کی اولاد میں زیادہ اتحاد و اتفاق ہوتا تھا، تاہم مادری سلسلہ کو بھی اس میں بہت دخل تھا اور شادی کے ذریعہ سے بھی دو خاندانوں میں نہایت مستحکم سلسلہ یک جہتی کا پیدا ہو جاتا تھا۔ یہ اس وجہ سے نہ تھا کہ عورت کی بڑی عزت کی جاتی تھی، بلکہ صرف اس لیے کہ اسے ایک دن ماں بننا ہے اور اس طرح قبیلہ و خاندان کے اعضاء میں اس سے اضافہ ہوتا ہے۔ جس وقت تک عورت کے اولاد نہیں ہوتی تھی، اس کی عزت نہیں کی جاتی تھی، لیکن اولاد ہونے کے بعد اس کی عظمت ہونے لگتی تھی۔

بنو اسد کے ساتھ جب جنگ ہوئی تو صخر بن عمرو بن الشرید خنساء کا بھائی ربیعہ اسدی کے ہاتھ سے زخمی ہو گیا، اور اس کے زرہ کی کچھ کڑیاں پہلو میں گھس گئیں۔ اس صدمہ سے وہ ایک سال تک بستر علالت پر پڑا رہا اور اس کی ماں اور بیوی سلیمہ نے تیمارداری کی خدمت انجام دی۔ آخرکار اس کی بیوی تھک گئی، اور جب دوسری عورت نے اس سے شوہر کا حال پوچھا تو کہا کہ "نہ وہ زندہ ہے کہ اس سے کوئی کام لیا جا سکے اور نہ مردہ ہے کہ بھلایا جا سکے" صخر نے یہ سنکر ایک قصیدہ لکھا جس کے بعض شعر یہ ہیں ؎

اری ام صخر لا تمل عیادتی — وملت سلیمی مضجعی ومکانی

وای امری ساوی بام حلیلۃ — فلا عاش الا فی شقی وھوان

یعنی "صخر کی ماں صخر کی طویل علالت سے بیزار نہیں ہوتی' اس کی بیوی البتہ تھک جاتی ہے۔ پس اس شخص کے لئے عمر بھر کی تکلیف و شرم کی بات ہے جو اپنی ماں کی عزت بیوی سے زیادہ نہ کرے"۔ لہ

چنانچہ اسی خیال کی بنا پر صرف ماؤں کی موت پر اظہار تعزیت کیا جاتا تھا اور جس عورت کے کوئی اولاد نہ ہوتی تھی اس کی وفات پر کوئی ملال نہ ہوتا تھا۔ ٢ہ

عورت کے متعلق یہ خیال صرف اعراب ہی کا نہ تھا بلکہ یونان میں بھی قریب قریب یہی سلوک کیا جاتا تھا۔ ان کے ہاں عورت کا مرتبہ صرف ایک خادم کا سا تھا۔ قبل و بعد شادی وہ پردہ میں رہتی تھی اور گھر کے تمام کام اسے انجام دینے پڑتے تھے۔

اہل فارس بھی اس وقت تک عورت کی عزت نہ کرتے تھے، جب تک وہ صاحب اولاد نہ ہو جائے' اولاد ہونے کے بعد اس کا مرتبہ بلند ہو جاتا تھا اور وہ گھر پر حکومت کرنے کی اہل سمجھی جاتی تھی' عرب کے بدویوں میں اب تک انہیں اصول پر عمل درآمد جاری ہے اور یہی سبب ہے کہ ایک عورت کے بھائی اس کے شوہر کی مدد کیا کرتے تھے۔ خواہ قبائل میں کتنا ہی اختلاف کیوں نہ ہو۔

اسلام سے قبل ماموں بھی اس رشتۂ اخوت کی بڑی زبردست کڑی سمجھا جاتا تھا' اور اس کی سب سے بڑی مثال آنحضرتؐ کا واقعہ ہجرت اور اہل یثرب کی امداد ہے۔ آنحضرتؐ کی والدہ خاندان بنو نجار سے تھیں جو سلسلۂ قحطان کے قبیلہ خزرج کی ایک شاخ ہے۔ آپ کے والد خاندان قریش سے

لہ ابن خلکان۔ ۲-۱۳۲-۱۷۰

٢ہ عقد الزاید [redacted] ۲۶-۲۷۰

تھے جو قبیلہ مضر سے تعلق رکھتے تھے۔ آپ کے والد عبداللہ کے وصال کے بعد آپ کی والدہ آنحضرتؐ کو ان کے ماموں کے پاس لے گئیں اور وہاں چند دن رہ کر پھر مکہ آنحضرتؐ کے چچا کے پاس واپس تشریف لے چلیں لیکن آپ کا وصال راستہ ہی میں ہو گیا۔ جب آنحضرتؐ کو خدمت ہدایت و ارشاد بارگاہ خداوندی سے تفویض ہوئی اور آپ کو کفار نے بہت اذیتیں پہنچانی شروع کیں تو آپ مدینہ تشریف لے گئے۔ جہاں آپ کے تعلقات بنو نجار سے ہونے کی وجہ سے تمام قبیلہ خزرج آپ کا معاون و شریک ہو گیا۔ پھر ان انصار نے جیسی مدد رسول اللہ کی کی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ یہاں تک کہ بنو نجار آپ پر پروانوں کی طرح فدا تھے۔

اشاعت اسلام کے بعد بھی ازدواجی تعلق کی بنا پر مدد دینی حاصل کرنے کی رسم جاری تھی اور اس نے سیاسی معاملات میں بڑے بڑے اہم انقلابات پیدا کر دیئے۔ مثلاً جب امیر معاویہ حضرت عثمان بن عفان کے خون کا بدلہ لینے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔ تو حضرت عثمان کی بیوی نائلہ کی سارے قبیلے نے مدد کی امیر معاویہ کی کامیابی زیادہ تر اسی قبیلہ کی مدد سے وابستہ تھی۔ کیونکہ انہوں نے خود بھی اسی قبیلہ میں شادی کر لی تھی جس سے یزید پیدا ہوا اور جب یزید خلیفہ ہوا تو اس رشتہ کی بنا پر سارا قبیلہ کلب اس کا معاون و مددگار بن گیا۔ تاریخ اسلام میں اس نوعیت کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں۔ مامون الرشید کا ساتھ اہل فارس نے صرف اس وجہ سے دیا کہ اس کی ماں ایرانی تھی اور عرب نے امین کی اعانت محض اس لئے کی کہ اس کی ماں عربی تھی۔ اسی طرح چونکہ المستعصم کی ماں ترکی تھی۔ اس لئے وہ ترکوں سے زیادہ مانوس تھا۔ جن کی اس نے ایک فوج مرتب کی اور ایرانیوں کو ان کی مدد سے شکست دی۔

الغرض اس قسم کی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ملوک وامراء نے مختلف قبائل میں شادی کر کے اپنی بیویوں کے خاندانوں کی ہمدردی حاصل کر لی اور اس طرح فوجی قوت کو بڑھالیا۔

سب سے پہلے اور سب سے زیادہ شدید تعلق ایک ہی باپ کی اولاد میں ہوتا تھا، اور اس کے بعد ایک ہی ماں کی اولاد میں۔ علاوہ اس کے قبائل کے درمیان عہدنامے بھی ہوتے تھے، اور یوں بھی ان میں باہم رشتۂ اخوت وسیع ہوجاتا تھا۔ اس نوع کے عہدنامے صرف قبائل اعراب ہی میں نہ ہوتے تھے بلکہ غیر اعراب جماعتیں بھی اس میں شامل ہوسکتی تھیں۔ جیسے وادی القریٰ کے یہود بنو ہاشم سے متحد تھے۔

اعراب میں متبنیٰ کرنے کی رسم بھی اسی اتحاد و اتفاق کے خیال کی بنا پر قائم ہوئی۔ قبل اسلام تبنیت کا بہت رواج تھا اور بعض صورتوں میں متبنیٰ شخص کی بڑی عزت کی جاتی تھی۔

امیہ کا متبنیٰ غلام ذکوان، جس کو ابوعمرو بھی کہتے تھے، امیہ کا بیٹا سمجھا جاتا تھا اور اس کی نسل سے ولید بن عقبہ حضرت عثمان بن عفان کے بھائی سلسلۂ مادری کے تھے۔ اور رسول اللہ کے صحابی بھی تھے۔ زیاد ایک جاریہ سمیہ کے بطن سے تھا اور ایک یہودی قبیلۂ ثقیف سے وابستہ تھا۔ زیاد کی ولدیت عام لوگوں کو معلوم نہ تھی اسی لئے وہ ابن ابیہ (یعنی اپنے باپ کے بیٹے) کہلاتے تھے۔ جب امیر معاویہ نے حصول خلافت کے لئے کوشش کی تو انہوں نے عرب کے تمام خاص خاص لوگوں کو اپنی طرف شامل کر لینا چاہا۔ انہیں لوگوں میں زیاد بھی تھے، جن کو معاویہ نے متبنیٰ کرنا چاہا۔ اس کے لئے انہوں نے طائف کے ایک مے فروش ابومریم السلولی کی حلفی تحریر حاصل کی کہ ابوسفیان

اس کی دکان پر آئے اور ایک بازاری عورت طلب کی چنانچہ وہ سمیہ کو لایا جو حاملہ ہو گئی اور زیاد پیدا ہوئے۔ اسی طرح زیاد ابوسفیان کے بیٹے قرار دیئے گئے[1] اور معاویہ نے انہیں کی خدمات و اثرات سے فائدہ اٹھایا۔ بعض مورخین نے اس واقعہ کی تردید کی ہے اور اگر اس کو غلط سمجھا جائے تو بھی اس میں کلام نہیں کہ زیاد امیر معاویہ کے حقیقی بھائی نہ تھے اور محض تبنیت کی بنا پر زیاد نے جیسی خدمتیں ان کی انجام دی ہیں وہ آپ آئندہ صفحات میں دیکھیں گے۔ کسی قبیلہ کے متبنیٰ فرد کو داعی کہتے ہیں۔ ایک شخص داعی مکرر بھی ہوسکتا تھا۔ اس حیثیت سے اس کا خاندان دوسرے کا متبنیٰ ہو اور وہ خود اپنے خاندان کا متبنیٰ فرد ہو۔ مثلاً شاعر ابن ہرمہ جو خاندان خلج کا متبنیٰ تھا اور یہ خاندان خود قبیلہ قریش کا متبنیٰ تھا ایسی مثالیں بھی ملتی ہیں کہ ایک خاندان کا خاندان دوسرے خاندان میں شامل ہوکر یا اسی کی اعانت کرکے متبنیٰ کرلیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے زمانہ میں ایک عجمی خاندان جو تمیمیوں کے ساتھ رہتا تھا مسلمان ہوکر جنگ میں اسلام کا شریک ہوا۔ ان کی یہ ہمدردی دیکھکر جماعت اسلام نے ان سے کہا کہ "ہر چند تم عرب نژاد نہیں ہو تاہم تم ہمارے بھائی عزیز اور انصار ہو۔ اس لئے ہم تمہیں آج سے بنو عم کہیں گے"۔ چنانچہ وہ اسی نام سے مشہور ہو گئے[2] اور اعراب میں ان کا شمار ہونے لگا[3]

ایک خاندان یا قبیلہ کا متبنیٰ فرد، ایک حقیقی فرد کی طرح سمجھا جاتا تھا[4] اور ترکہ کا وارث بھی ہوتا تھا اور اس کے ترکہ میں بھی وراثت اثر پذیر تھی۔ چنانچہ اعراب محض جائداد و دولت کی وجہ سے بھی دوسروں کو متبنیٰ کرلیا کرتے تھے۔ ایسا بھی ہوتا تھا کہ لوگ اس فرض کو سمجھ کر متبنیٰ ہونے سے انکار کردیا کرتے تھے لقیب

---

[1] اثیر سوم ۲۲۵-۲۲۰ [2] اغانی سوم ۸۶ [3] اغانی ۱۷-۹۴

مشہور مغنی جب اُس کے سرپرستوں نے متبنٰے کرنے کا ارادہ کیا۔ تو اس نے انکار کر دیا[1]

بہرحال اعراب میں نہ صرف تبنیت بلکہ ہر اس عہد وقول کی بناء پر جو ایک دوسرے کی اعانت کے لئے ہو جاتا تھا۔ آپس میں رشتۂ اخوت نہایت شدید قائم ہو جاتا تھا۔ اگر عرب کسی کو اپنا بھائی کہہ دیتا تھا۔ تو وہ حقیقت میں ایسا ہی سمجھنے بھی لگتا تھا اور پھر ہمیشہ اپنے اس قول کا احترام کرتا تھا۔

جس طرح اعراب میں تبنیت کا رواج تھا بالکل اسی طرح اخراج کا بھی تھا اگر کوئی شخص اپنے بیٹے سے برہم ہوتا تھا تو وہ اسے بھی عاق کر دیتا تھا اور پھر وہ اس کے معاملات سے کوئی واسطہ نہ رکھتا تھا کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ ایک پورا خاندان مل کر کسی فرد کو اپنے میں سے خارج کر دیتا تھا جب ایسا کرنا ہوتا تھا تو بازار عکاظ میں اس شخص کو لے جاتے تھے اور وہاں اعلان کرتے تھے، قبیلہ خزاعہ نے قیس ابن الحدادیہ شاعر کے ساتھ یہی سلوک کیا تھا[2] کبھی کبھی یہ اخراج ذریعہ تحریر کے بھی ہوا کرتا تھا۔

قبل اسلام کے خارج کر دینے کی مشہور مثال واقعہ عمرو بن العاص کی ہے۔ یہ عمارہ بن الولید مخزومی کے ساتھ حبش کی طرف تجارتی غرض سے چلے راستہ میں عمارہ نے عمرو ابن العاص کو کوئی ضرر پہنچایا عمر قبیلہ بنو سہم سے متعلق تھے۔ انہوں نے اپنے باپ کو لکھا کہ آپ مجھے عاق کر دیجئے تاکہ آپ یا آپ کا قبیلہ میرے افعال کے نتائج سے متاثر نہ ہو۔ چنانچہ عمرو بن العاص اور عمارہ دونوں کو ان کے قبیلوں نے خارج کر دیا اور مکہ میں اس کا اعلان کر دیا گیا[3] ایسے عاق شدہ لوگ صحرا میں کسی جگہ جمع ہو کر ایک گروہ اپنا قائم کر کے

---

[1] اغانی ۱-۱۲۴ [2] اغانی ۱۳-۲ [3] اغانی ۸-۵۲

لوٹ مار کرنے لگتے تھے۔ عہد بنی امیہ میں شاعر لیلی الاحول بھی عاق کر دیا گیا تھا اور اس نے ایسے ہی لوگوں کی ایک جماعت متفق و بہم کر کے لوٹ مار شروع کر دی تھی۔ بعض تاجر جو غلاموں کی خرید و فروخت کیا کرتے تھے، ویسے خارج شدہ لوگوں کو مول لے کر سلطنت روما لے جا کر وہاں بیچ ڈالتے تھے۔

بردہ فروشی کا رواج اتنا ہی قدیم معلوم ہوتا ہے۔ جتنی قدیم خود نوع انسانی ہے۔ جب سے انسان پیدا ہوا ہے، اسی وقت سے اس کی بنیاد پڑی ہے، جو ترقی کے ساتھ ساتھ رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ چونکہ انسان کی فطرت میں حکومت قائم کرنا ہے، اس لئے زمانہ قدیم میں جب وہ اپنے دشمن کو مغلوب و مفتوح کر لیتا تھا تو وہ اسے مار ڈالتا تھا یا بہت رحم کرتا تھا، تو اسے اپنا غلام بنا لیتا تھا خصوصیت کے ساتھ عورتیں زیادہ لونڈیاں بنتی تھیں، تاکہ وہ گھر کا کام کریں اور مردوں کی خواہشات نفسانی بھی ان سے پوری ہوں۔ بہت قریب زمانہ ماضی میں بھی مغلوب دشمنوں سے زراعت کرانے کا رواج عام طور سے پایا جاتا تھا۔ یہ رواج نہ صرف مصر و بابل وغیرہ کی قدیم سلطنتوں میں پایا جاتا تھا۔ بلکہ سلطنت روما میں سینکڑوں ہزاروں کی تعداد میں ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی اور بھیڑ بکریوں کی طرح وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل کئے جاتے تھے جب سلطنت روما کا عہد زریں شروع ہوا تو اس جبر و تعدی میں کچھ کمی ہوئی اور لونڈیوں سے نکاح کر لینے کا دستور عام طور سے جاری ہو گیا اور غلاموں کے ساتھ بدسلوکی کرنا ایک جرم قرار پایا۔ جس کی جوابدہی مالک کو کرنی پڑتی تھی۔

سلطنت روما کے زمانۂ عروج میں غلاموں کی کثیر تعداد پائی جاتی تھی اور کوئی گھران سے خالی نہ ہوتا تھا۔ یہ گھر کے سارے کام کرتے تھے۔ اور کبھی کبھی تجارتی کاروبار بھی ان کے سپرد کر دیا جاتا تھا۔ ایک خاص بازار

میں ان کی خرید و فروخت ہوتی تھی، اور ایک غلام کی قیمت چار چار ہزار دینار تک قرار پاتی تھی۔ اہل فارس بھی ترک قیدیوں کو غلام بنا کر آپس میں تقسیم کر لیتے تھے۔ خسرو پرویز شاہ فارس نے یونان کے بادشاہ مورلقیس کے پاس سو غلام بھیجے جو ترکی شاہی خاندان سے تھے۔ اور نہایت حسین تھے۔ ان کے کانوں میں سونے کی بالیاں تھیں اور بالیوں میں موتی پڑے ہوئے تھے۔ شاہ یونان نے ان کے عوض میں اور تحائف کے ساتھ بیس لونڈیاں بھیجیں جو سب کے سب برگنڈی گیسٹن وغیرہ شاہی خاندانوں کی لڑکیاں تھیں اور جن میں سے ہر ایک کنیز کے سر پر طلائی تاج تھا۔[1]

اعراب میں بھی جنگ کے قیدیوں کو غلام بنا لینے کا دستور جاری تھا علاوہ اس کے وہ حبش اور قرب وجوار کے ممالک سے ان کو خریدتے بھی تھے۔ بردہ فروش تاجر غلاموں اور لونڈیوں کو مختلف ممالک سے لاتے تھے۔ اور جزیرہ نمائے عرب میں لا کر بیچ ڈالتے تھے۔ قبیلۂ قریش میں بھی یہ تجارت جاری تھی۔ جب کوئی شخص کسی غلام کو مول لیتا تھا تو اس کے گلے میں رسّی ڈال دیتا تھا اور گھوڑے کی طرح اسے رسّی پکڑ کر گھر لے جاتا تھا۔[2]

اگر کوئی غلام قیدی جنگ میں ہوتا تھا تو اس کے پیشانی کے بال کتر کر ترکش میں رکھ لیے جاتے تھے تاوقتیکہ فدیہ ادا نہ ہو جائے۔ غلام تحائف کی صورت میں بھی تقسیم ہوتے تھے، ترکہ میں بھی ان کا شمار ہوتا تھا اور جہیز میں بھی دیے جاتے تھے تاوقتیکہ وہ مدبر نہ بنائے جائیں۔ مدبر اس غلام کو کہتے ہیں، جس سے مالک کہہ دیتا تھا کہ تو میرے مرنے کے بعد آزاد ہے۔ اس عہد کو تدبیر کہتے ہیں۔

---

[1] مسعودی ۱۔ ۱۱۹ [2] معارف ۱۱۲

شاعر بشار ابن برد قبیلہ ازد کے ایک شخص کا غلام تھا جب اس کے مالک نے عقیلی خاندان کی ایک لڑکی سے شادی کی تو اس نے بشار کو تحفۂ شادی کی صورت میں اپنی بیوی کو دیدیا۔[۱] اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جب عام طور سے غلام ہر گھر میں پائے جاتے تھے، تو امرا و روسا کے ہاں ان کی کتنی بڑی جماعت رہتی ہوگی۔ جب حمیر کا شاہزادہ ذو الکلاع حضرت ابو بکرؓ کے پاس آیا تو اس کے ساتھ ایک ہزار غلام تھے[۲] ہر معزز عرب کے گھر میں خدمت کرنے کے لئے غلاموں کا ہونا ضروری تھا۔ عبد اللہ ابن ربیعہ کے پاس حبشی غلاموں کی کافی تعداد تھی جن سے وہ تمام کام لیتے تھے۔ فوجی خدمت بھی ان سے لی جاتی تھی لیکن زیادہ اعتماد ان پر نہیں کیا جاتا تھا۔[۳] غلام کی تعزیر بھی حُر کی نسبت قانوناً نصف رکھی گئی تھی۔[۴]

غلاموں کا ایک مخصوص طبقہ جسے قن کہتے تھے جس سے زراعت کا کام لیا جاتا تھا اور کھیتوں کے ساتھ وہ بھی فروخت کر دیا جاتا تھا۔ مدیون کو بھی غلام بنا لینے کا دستور اعراب میں پایا جاتا تھا۔

اعراب لونڈیوں سے شادیاں بھی کر لیتے تھے۔ ان کی اولاد بھی غلام ہی متصور ہوتی تھی، تاوقتیکہ وہ کسی خاص سبب سے متبنیٰ نہ کر لی جائیں۔ عنترہ کو اس کے باپ شداد نے متبنیٰ کر لیا تھا۔ یہ ایک لونڈی زبیبہ کا لڑکا تھا اور گھر سے باہر نکال دیا گیا تھا۔ یہ کہہ کر کہ جب تک وہ اپنے تئیں اہل ثابت نہ کرے گھر میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ اس نے اپنے تئیں اہل ثابت کر دیا تو شداد نے اس کو متبنیٰ کر لیا۔[۵]

---

[۱] اغانی ۳-۲۰   [۲] مسعودی ۱-۲۸۰   [۳] اغانی ۱-۳۲۰

[۴] اغانی ۱۵-۱۲۳   [۵] ہشام ۲۰-۱۰۵

غلاموں کے آزاد کر دینے کا بھی دستور قبل اسلام جاری تھا، لیکن بہت کم۔ جب ظہور اسلام ہوا تو اس کا رواج بہت ہو گیا اور غلام کا آزاد کر لینا مذہبی نقطہ نظر سے ایک محمود فعل قرار پایا۔

موالی

عرب میں مولے کا درجہ غلام اور حُر کے درمیان تھا۔ اکثر صورتوں میں وہ ایک آزاد شدہ غلام ہوتا تھا۔ ہر غلام یا قیدی جنگ آزاد ہونے کے بعد مولی ہو جاتا تھا اور مالک کے خاندان یا قبیلہ میں اس کا شمار ہونے لگتا تھا۔ مثلاً عباس کا موئے خاندان بنو ہاشم، قبیلۂ قریش اور قوم مضر کا مولی سمجھا جاتا تھا۔ بعض اوقات ایک مولے کی نسبت اس شخص یا خاندان سے ہوتی تھی جس نے اس کو آزاد کیا تھا۔ لفظ مولے کا استعمال کبھی کبھی دوست، عزیز، مہمان، انیس و ہمدم کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

جو غلام آزاد ہو کر مولے کہلاتا تھا وہ مثل ایک رشتہ دار کے سمجھا جاتا تھا۔ چونکہ اس طرح آزاد کرنے کی رسم صرف اس بنا پر تھی کہ غلام سے مولے کی کسی خاص اہم خدمت کا ظہور ہوا، اس لئے رفتہ رفتہ آزادی کی شرط کوئی خاص کام یا اہم خدمت قرار دی جانے لگی۔ جب کوئی قیدی جنگ غلام ہوتا تھا تو آزاد کرنے کے وقت اس کی پیشانی کے بال کاٹ لیے جاتے تھے اور جس کے قبضہ میں یہ بال ہوتے تھے۔ وہ اس کا مولے سمجھا جاتا تھا۔ چنانچہ مشہور شاعر حسان بن ثابت جنگ اُحد کے بعد ہبیرہ ابن ابی وہب جواب

میں لکھتا ہے کہ

الا اعتبرتم بخیل اللہ اذ اقتلت — اہل القلیب ومن القینۃ فیہا

کم من اسیر فللناہ بلاثمن — وجزۃ ناصیۃ لنا موالیہا

یعنی تم کچھ خیال نہیں کرتے کہ اللہ کی فوجوں نے کس طرح دشمنوں کی لاشوں سے کنوئیں پاٹ دیئے اور بہت سے قیدی بغیر فدیہ کے آزاد کردیئے گئے اس حال میں کہ ان کی پیشانی کے بال کاٹ کر انہیں اپنا موالے بنالیا تھا[۱]

آزادی کا ایک طریقہ مکاتبہ بھی تھا یعنی مالک غلام سے کہتا تھا کہ اگر تو اس قدر رقم اپنی محنت سے ادا کردے گا تو آزاد ہوجائے گا۔ ابوکید المقبری قبیلہ بنی جندع کے ایک شخص کے غلام تھے اور چالیس ہزار درہم اور ایک بھیڑ سالانہ دینے پر ان کی آزادی قرار پائی تھی چنانچہ انہوں نے شرط پوری کرلے کے بعد آزادی حاصل کی[۲]

چونکہ موالے آزاد کرنے والے مالک سے منسوب رہتا تھا اس لیئے وہ اس کی وفات پر مال کا مالک بھی قرار پاتا تھا بعض اوقات یہ شرط بھی قرار پاتی تھی کہ اگر کوئی دوسری شرط آزادی کو پورا کردے تو غلام آزاد ہونے کے بعد اسی کا موالے قرار پائے گا۔ جب ظہور اسلام ہوا تو اس کو ناجائز قرار دیا گیا کہ آزاد شدہ غلام سوائے اپنے مالک کے کسی دوسرے کا موالے قرار پائے بریرہ بنت سعود الثقفی حضرت عائشہؓ کے پاس آئی اور زر مکاتبہ ادا کرنے میں مدد چاہی حضرت عائشہؓ نے زر مکاتبہ کل ادا کرنے کا اقرار کیا۔ بشرط آنکہ آزادی کے بعد وہ آپ کی سرپرستی میں آجائے اس کے مالکوں نے انکار کیا۔ حضرت عائشہؓ نے رسولؐ اللہ سے دریافت کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اُسے

---

[۱] ہشام ۲۰ ۱۰۵ [۲] معارف ۱۵۴

خرید کر آزاد کر دو پھر اس کو اپنی سرپرستی میں لے سکتی ہو۔ اس اصول کی بنا پر کہ غلام آزاد کرنے والے ہی کا مولے ہو سکتا ہے[1]۔ حق ولا خریدنے کی اجازت تھی ابو معشر کو قبیلہ مخزوم کی ایک عورت نے مکاتب کر دیا تھا۔ جب انہیں آزادی حاصل ہوئی۔ تو اُم موسیٰ بنت منصور نے حق ولا خرید لیا تھا۔

اعراب میں اتفاق و اتحاد کی ایک صورت یہ بھی تھی کہ اگر کوئی شخص یا گروہ قبیلہ کی کوئی خاص مدد کسی وقت کر دیتا تھا یا اس سے مراسم خاص پیدا ہو جاتے تھے تو پھر وہ نسلاً بعد نسلٍ قائم رہتے تھے۔ خواہ اس قبائل میں باہم کتنا ہی بُعد مذہب ہو خیال پاس نہ ہوتا جب آنحضرت ہجرت فرما کر یثرب تشریف لے گئے تو وہاں ایک زمانہ دراز سے یہودی رہتے تھے اور قبائل اوس و خزرج کے اتحادی یا مولے سمجھے جاتے تھے۔ یثرب میں عہد عیسوی سے بہت پہلے یہودیوں کی ایک جماعت آکر آباد ہو گئی تھی اور قبل اس کے کہ اوس و خزرج یمن سے آتے، اُنہوں نے یثرب کو اپنا وطن بنا لیا تھا۔ جب یہ قبائل یہاں آئے تو اُنہوں نے دیکھا کہ ساری زمین یہودیوں کے قبضہ میں ہے۔ چنانچہ ان کے ایک سردار مالک بن العجلان نے شام کے غسانی سردار سے مدد چاہی اور ان دونوں نے مل کر یہودیوں کی قوت کو بہت کمزور کر دیا۔ اس کے بعد جب یہودیوں میں سے کسی کو کوئی تکلیف پہنچتی تھی تو وہ اعراب ہی کے پاس اپنی شکایت لے جاتا تھا اور اس طرح رفتہ رفتہ یہودیوں کی ساری جماعت اوس و خزرج کی ولا میں آگئی[2] اور بنو نجار (رسول اللہ کے ننھیالی خاندان کا اثر بھی ایک خاص جماعت یہود پر قائم ہو گیا۔

---

[1] بخاری - ۷ - ۲ [2] معارف ۱۷۲

چونکہ اعراب میں فطرتاً شجاعت کا نہایت صحیح مذاق پایا جاتا تھا۔ اس لیے وہ ایک مظلوم و مغلوب کی اعانت پر فوراً آمادہ ہو جاتے تھے۔ اور جب کسی سے کوئی عہد کر لیتے تھے تو اُس سے کبھی انحراف نہ کرتے تھے۔ ایک شخص کسی کے پاس آتا اور کہتا کہ "تم مجھے اپنی ولا میں لے لو اور میری زندگی میں اگر کوئی دیت مجھ پر لازم آئے تو ادا کر دو میرے مرنے کے بعد تم میری جائداد کے مالک ہو گے" اگر وہ جواب میں کہہ دیتا کہ میں نے "منظور کیا" تو یہ عہد اتنا مستحکم و استوار سمجھا جاتا تھا کہ دنیا کی کوئی قوت اس کو نہ توڑ سکتی تھی۔ قبل اسلام عقد موالات کا رواج اعراب و غیر اعراب کے درمیان عام طور سے پایا جاتا تھا لیکن ظہور اسلام کے بعد غیر اعراب کے ساتھ یہ رسم ممنوع قرار دی گئی۔ بلکہ انھیں صرف ذمیانہ حقوق عطا کیے گئے۔ کیونکہ قرآن میں اس کے متعلق حکم دیا گیا ہے کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ

عرب میں بہت سے اصول و قواعد عقد ولا کے متعلق جاری تھے۔ ان میں سے ایک عام قاعدہ یہ تھا کہ مولےٰ (آزاد کیا ہوا غلام) حُر سے کمتر درجہ پر اور غلام سے بلند مرتبہ پر سمجھا جاتا تھا۔ غلاموں کی طرح اس کی خرید و فروخت نہ ہو سکتی تھی لیکن وہ شادی و ترکہ کے معاملہ میں حُر کی طرح حقوق نہ رکھتا تھا۔[۱] ایک حُر عورت سے شادی نہ کر سکتا تھا اور جو دیت اس کی طرف سے ادا کی جاتی تھی وہ بہ نسبت حُر کے نصف ہوتی تھی۔[۲]

جزیرہ نمائے عرب کی آبادی کا بڑا حصہ عدنانیوں اور قحطانیوں پر مشتمل تھا جس میں ان کے غلام، اتحادی اور موالی بھی شامل ہیں لیکن علاوہ ان کے ایک بڑی جماعت ان لوگوں کی بھی تھی جو حبش، شام، عراق، مصر

---

[۱] اغانی ۱-۲ [۲] اغانی ۲-۷۶

فارس اور ہندوستان سے جا کر وہاں آباد ہو گئے تھے۔ لیکن ان کا خیال تھا کہ بعض رخیمی قبائل نے (مثلاً شامی و کلدانی) یہاں شادیاں کر لی تھیں اور اس لئے ان کی قدیم قومیت مفقود ہو چلی تھی اور ان کا شمار اعراب ہی میں ہوتا تھا۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ عقد اتحاد و موالات قائم تھا، اور حبشی، ایرانی، ہندی زیادہ تر آزاد و غیر آزاد غلاموں کی حیثیت سے پائے جاتے تھے۔ اس لئے جب ظہور اسلام ہوا تو عرب کی آبادی خالص و غیر خالص اعراب پر مشتمل تھی، لیکن اُن میں کوئی ایسا زیادہ فرق نہ تھا۔ سوائے اس کے کہ انہیں عرب العاربہ اور ان کو عرب المستعربہ کہتے تھے۔ علاوہ ان کے کچھ قبائل یہود و نصاریٰ کے تھے اور ایک جماعت ایرانیوں کی تھی جنہیں بنوالاحرار کہتے تھے۔ یہ لوگ یمن میں رہتے تھے اور ان ایرانیوں سے امتیاز پیدا کرنے کے لئے جو اعراب کے موالی (آزاد کردہ غلام) تھے ان کو بنوالاحرار کہتے تھے یہ اس ایرانی فوج کی نسل میں سے تھے۔ جو حبشیوں کے خلاف سیف حمیری کی مدد کرنے کے لئے آئی تھی۔ اس کا واقعہ اس طرح ہے کہ جب یمن پر حبشیوں نے یورش کی تو سیف حمیری ایران گیا اور وہاں سے ایرانی فوج لے کر آیا اور حبشیوں کو شکست دی اس کے بعد چار سال تک سیف، ایرانی فوج کے سردار کے ساتھ حکومت کرتا رہا اور حبشیوں کو غلام بنا لیا۔ آخر کار ایک دن ان حبشیوں نے سیف کو ہلاک کر ڈالا اور پہاڑوں میں بھاگ کر چلے گئے۔ اس کے بعد یمن والوں نے اپنا کوئی سردار منتخب نہیں کیا بلکہ اسی ایرانی سردار کی سیادت کو قبول کر لیا جس وقت ظہور اسلام ہوا تو یمن میں ایرانی النسل سرداروں کی حکومت تھی لیکن انہوں نے بھی بعد کو اسلام قبول کر لیا۔ علاوہ یمن کے اس نسل کے لوگ شام، عراق جزیرہ میں بھی پائے جاتے تھے

یمن میں ان کو ابناء، صنعا میں بنو الاحرار کوفہ میں ان کو احامرہ بصرہ میں اساورہ، جزیرہ میں حضارمہ اور شام میں جراجمہ کہتے تھے جب ظہور اسلام ہوا تو یہ سب مسلمان ہوگئے اور انہوں نے مسلمانوں کی بہت بہت اعانت کی۔ اور اسی لئے یہ جماعت دیگر غیر اعراب مسلموں سے ممتاز سمجھی گئی اور انہیں حُر کے حقوق دیئے گئے۔

جاہلیت کا آئین حکومت

قبل اسلام عرب میں کوئی باضابطہ سلطنت قائم نہ تھی اور نہ سیادت و حکومت کے لئے کوئی خاندان مخصوص تھا۔ قوم کی سرداری اس شخص کو ملتی تھی جو کوئی ممتاز حیثیت بہ لحاظ اپنے اثر یا جاہ و ثروت کے رکھتا تھا اگر سیادت کے حق دار مدعی ایک سے زائد لوگ ہوتے تھے۔ تو ان میں سے سب سے زیادہ معمر شخص منتخب کیا جاتا تھا جسے شیخ کہتے تھے؛ اگر کسی خاص سبب سے اس نوع کا انتخاب دشوار و خلاف مصلحت ہوتا تھا تو قرعہ ڈالا جاتا تھا جس کے نام قرعہ نکل آتا تھا اسی کو حق سیادت دیا جاتا تھا۔ یہ رواج زیادہ تر بدویوں میں تھا لیکن مکہ میں سیادت، محافظ کعبہ کو ملتی تھی۔ قبل اسلام چند خاص گھرانے اپنی سیادت کے لحاظ سے مشہور تھے ہاشم ابن عبد مناف قریش میں، حذیفہ بن بدر الفزاری قیس میں، آل زرارہ ابن علوی تمیم میں، آل ذی الجدین ابن عبد اللہ ابن ہمام شیبان میں اور قبیلہ بنو الحارث ابن کعب کا خاندان بنو ریاں یمن میں۔ ان خاندانوں میں مسلسل تین چار نسل سے سیادت

چلی آتی تھی اور ان قبائل کا بہت اثر قائم تھا۔ جب اسلامی حکومت اچھی طرح قائم ہو گئی اُس وقت بھی خاص خاص عہدوں کے خیال میں ذی اثر قبائل کا زیادہ لحاظ کیا جاتا تھا۔ چنانچہ ابن عباس نے امام حسنؓ ابن علی سے کہا تھا کہ ممتاز عہدے انہیں قبائل کے لوگوں کو دیجئے جن میں سیادت عرصہ سے چلی آتی ہے تاکہ وہ قبائل آپ کے معاون ہو جائیں۔

ہرچند بدوی شیخ ایک خود مختار و آزاد حکمران کی حیثیت رکھتا تھا، لیکن وہ صرف اپنی رائے سے کوئی مقدمہ نہ کرتا تھا بلکہ اکثر و بیشتر اپنے احباب و اعزا سے بھی مشورہ کرتا تھا، وہ قبیلہ کے معمولی سے معمولی شخص سے بھی ملتا تھا اور اس کے ہاں کوئی اہتمام شان و شوکت کے اظہار کے لئے نہ کیا جاتا تھا۔ ایک معمولی بدوی بھی جب اس سے خطاب کرتا تھا تو اس کا نام لیتا تھا اور جب وہ دوسروں سے خطاب کرتا تھا، تو بھائی، بیٹا، چچا، باپ وغیرہ کے الفاظ بہ لحاظ عمر کے استعمال کرتا تھا۔ یہ خصوصیت اعراب میں بعد اسلام بھی عرصہ تک قائم رہی چنانچہ خلفائے اسلام کے سامنے بے باکانہ آکر خطاب کرنے اور صاف صاف بات کہہ دینے کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ لیکن جب خلفائے راشدین کا عہد گزر گیا اور سیادت کی بنیاد بجائے مذہب کے ملک گیری اور دنیاوی جاہ و ثروت پر قائم ہوئی، تو تمام وہی مراسم پیدا ہو گئے۔ جو عجم کی سلطنتوں میں پائے جاتے تھے اور اس طرح حاکم و محکوم کے درمیان جو تعلق و اتحاد قائم تھا کم ہونے لگا اور رفتہ رفتہ دونوں میں بہت فاصلہ ہو گیا

ہم بیان کر چکے ہیں کہ اعراب میں صداقت، وفا شعاری اور عہد و پیمان کا استحکام عام طور سے پایا جاتا تھا اور اسی لئے ان کے معاملات کا فیصلہ کرنے کے لئے نہ کسی حاکم کی ضرورت ہوتی تھی نہ کسی قانون کی۔ وہ جو کچھ کہہ دیتے تھے، وہی کرتے تھے اور جو کرتے تھے اُسے صاف صاف کہہ دیتے تھے، ان کے ہاں مکر و فریب

کذب و دغا کا کوئی مفہوم ہی نہ تھا اور اپنی ان خصوصیات پر انہیں فخر تھا اور جیسا کہ زمانۂ جاہلیت کے لٹریچر سے معلوم ہوتا ہے **حنظلہ** **نعمان** سے وعدہ کرتا ہے کہ میں ایک سال کے بعد اپنے گھر کا انتظام کر کے سزائے موت قبول کرنے کے لئے واپس آجاؤں گا۔ **نعمان** ضامن طلب کرتا ہے **ابن علوی** ضمانت دیتا ہے اور آخرکار **حنظلہ** سال بھر کے بعد پھر حاضر ہو جاتا ہے [1]

امراء القیس کندی، ابن عادیا، کے پاس اپنا کچھ قیمتی اسباب اور اسلحہ امانتاً رکھتا ہے اور سلطنت **بازنطائن** میں پہنچکر مر جاتا ہے۔ سردار کندہ اس کا سامان طلب کرنے کے لئے آدمی روانہ کرتا ہے لیکن وہ دینے سے انکار کرتا ہے۔ بادشاہ پوری ایک فوج بھیجکر اس کے قلعہ کا محاصرہ کر لیتا ہے اور اس کے بیٹے کو گرفتار کر کے کہتا ہے کہ اگر سامان نہ دوگے تو تمہارا بیٹا ذبح کر دیا جائیگا **ابن عدی** کہتا ہے کہ میں اپنے قول سے منحرف نہیں ہو سکتا اور ایک شخص کی امانت سوائے اس کے وارثوں کے دوسروں کو نہیں دے سکتا یہاں تک کہ اس کا بیٹا اس کے سامنے ذبح کر دیا جاتا ہے اور وہ اسباب سردار کندہ کے حوالہ نہیں کرتا۔ امراء القیس کے جائز ورثا کو دیتا ہے۔

الغرض اعراب اپنی فطرت کے لحاظ سے بہت باوفا و ایماندار، تعلم نواز، سچے اور بے لوث لوگ اور ظاہر ہے کہ ایسے لوگوں کے لئے قانون کی پابندیوں کی بہت کم ضرورت ہوتی ہے

جس طرح اعراب اپنے اتحادی قبائل کے ساتھ وفا شعار تھے۔ اس طرح وہ اپنے جوار کے لوگوں اور خاندانوں کی بھی اعانت کرنا اپنا فرض جانتے تھے ایک بدو اپنے پڑوسی کی مدد اس طرح کرتا تھا جیسے خود اپنی پھر پڑوسی ہونے کا مفہوم اس قدر

---

[1] مستطرف ۱۲۱۱

وسیع ہو گیا تھا کہ ایک شخص دوسرے کے پاس جا کر کہتا کہ مجھے اپنا دجیران) پڑوسی بنا تو اس کے یہ معنی ہوتے تھے کہ وہ اس کی حمایت میں آگیا اور پھر کوئی چیز اُسے ضرر نہیں پہنچا سکتی۔ شاعر الاعشیٰ نے اسود العنسی کی تعریف میں ایک قصیدہ لکھا جس کے عوض میں اسے کچھ قیمتی چیزیں دی گئیں۔ چونکہ وطن واپس جانے میں اسے بنو عامر کی طرف سے جانا ضروری تھا اور ان کی طرف سے اندیشہ تھا کہ کہیں لوٹ نہ لیں، اسی لئے وہ علقمہ بن علاثہ کے پاس گیا اور اس سے کہا کہ "مجھے پناہ دو" اس نے اقرار کیا اس نے پوچھا "کیا یہ حمایت جن و انس دونوں کے مقابلہ میں ہے" جواب ملا "ہاں" پھر پوچھا "موت کے مقابلے میں بھی ہے یا نہیں" علقمہ نے کہا "نہیں" یہ جواب سن کر اعشیٰ عامر ابن الطفیل کے پاس گیا اور اس نے سارے سوالوں کا جواب اثبات میں دیا۔ اعشیٰ نے پوچھا کہ "موت کے مقابلہ میں حمایت سے تمہارا کیا مطلب ہے؟" اس نے جواب دیا۔ کہ "اگر تم مارے گئے تو تمہارا خونبہا وصول کر کے تمہارے اعزاء کو بھیج دوں گا۔" یہ سُنکر اعشیٰ مطمئن ہو گیا اور عامر کی تعریف کی اور علقمہ کی ہجو لکھی[1]

اگر کوئی شخص کسی کی پناہ حاصل کرنے آتا اور وہ نہ ملتا تو وہ اپنے دامن کا کنارہ خیمہ سے باندھ دیتا تھا اور پھر اہل خیمہ کا فرض ہو جاتا کہ وہ ہر طرح سے اس کی اعانت و حمایت کرے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب عامر ابن الطفیل مر گیا تو اس کے بیٹوں نے عامر کی قبر کے چاروں طرف ایک میل مربع زمین کو پتھر کے ستونوں سے محصور کر دیا۔ جس کے اندر نہ کوئی جانور چر سکتا تھا اور نہ کوئی آدمی آسکتا تھا۔ اس سے مقصود یہ ظاہر کرنا تھا کہ اس کی زندگی کس قدر وسعت کے ساتھ لوگوں کی اعانت و حمایت میں بسر ہوئی[3]

---

[1] اغانی ۸-۸۳   [2] اغانی ۲-۱۸۲   [3] اغانی ۱۵-۱۳۹

جب ظہور اسلام ہوا تو اس وقت بھی یہ رسم قائم تھی اور عرصہ تک قائم رہی لیکن جب رفتہ رفتہ سلطنت کی بنیاد پڑی اور مصالح ملکی اس رسم کے مخالف ہوئے تو اس میں ضعف آتا گیا۔ اور سلطنت کے عمائدین سلطنت کے خلاف کسی کو پناہ دینے کا رواج کم ہوتا گیا کیونکہ تمام سرداران قبائل معزز معزز عہدوں پر ممتاز تھے اور لوگوں کو خوف تھا کہ اگر مجرم کو پناہ دی تو ان کا اقتدار جاتا رہے گا اور یہ اعزاز چھن جائے گا۔

جب ابن مفرغ نے بنو زیاد کی ہجو کی تو عبیداللہ ابن زیاد نے اس سے عوض لینا چاہا۔ اس نے احنف ابن قیس سے حمایت کی درخواست کی۔ چونکہ عبیداللہ ابن زیاد اس وقت بصرہ کا عامل تھا۔ اس نے احنف نے انکار کر دیا اور کہا کہ میں خود اپنے قبیلہ کے خلاف تیری حمایت کرنے پر آمادہ ہوں لیکن عبیداللہ ابن زیاد کے خلاف تیری اعانت کرنے سے مجبور ہوں۔ ابن مفرغ اور لوگوں کے پاس گیا لیکن اسی سبب سے کسی نے اس کو پناہ نہیں دی۔[1]

الغرض قبل اسلام اعراب کی جو خصوصیات تھیں، ان میں سب سے زیادہ نمایاں ان کی شجاعت و بہادری تھی، اور اس صفت کے ساتھ جو دیگر صفات حسنہ ایک قوم میں پیدا ہو سکتی ہیں وہ ان میں موجود تھیں۔ فیاضی، مہمان نوازی، وفاداری، خلوص، بلند حوصلہ، استحکام ارادہ۔ یہ سب وہ باتیں تھیں جو نہایت تکمیل کے ساتھ ان میں پائی جاتی تھیں۔

بیان بالا سے معلوم ہوا ہوگا کہ اعراب میں اپنی نسل و قبیلہ پر اظہار فخر و غرور کا عام دستور تھا اور اپنے قبیلہ یا خاندان کے علاوہ وہ کسی اور شخص کی وقعت نہ کرتے تھے لیکن اسلام نے جہاں ان کی عادات و خصائل وغیرہ میں اور

---

[1] اغانی ۱۷-۵۲

بہت سے تغیرات پیدا کئے، وہیں ایک تغیر یہ بھی تھا کہ ان کے دماغوں سے اس نخوت و پندار کو دور کر دیا۔ یہ تعلیم دے کر کہ مسلمان ہونے کے بعد تمام قومیں اور نسلیں ایک ہیں اور اللہ کے نزدیک ان میں کوئی فرق و امتیاز نہیں ہے۔

قبل ظہور اسلام یمنی حجازیوں سے مضری حمیریوں سے آمادہ جنگ رہتے تھے اور مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں باہم تنازعہ مناقشہ ہوتا رہتا تھا، لیکن جب اسلام رونما ہوا تو اس نے سب کو ایک جھنڈے کے نیچے رشتۂ اسلام سے منسلک کر کے باہم و گر ملا دیا۔ جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ نے قریش کو مخاطب کر کے کہا کہ "یا معشر قریش ان اللہ قد اذھب عنکم نخوۃ الجاھلیۃ وتعظمھا بالآباء۔ الناس من آدم وآدم من تراب" اسی طرح آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا کہ یا یھا الناس ان ربکم واحد وان اباکم واحد کلکم لآدم وآدم من تراب واکرمکم عند اللہ اتقکم لیس العربی علی عجمی فضل الا با التقوی "یعنی خدا ایک ہے اور تمام انسانوں کا باپ ایک۔ سب آدم کی اولاد ہیں اور آدم مٹی سے پیدا کیا گیا ہے۔ خدا کے نزدیک زیادہ قابل عزت وہی ہے جو اس سے زیادہ ڈرنے والا ہے "[1]

جب رسول اللہ کے بعد خلفاء راشدین کا زمانہ آیا تو انھوں نے اس مسئلہ میں رسول اللہ کی پیروی کی اور خصوصیت کے ساتھ حضرت عمرؓ نے اس پر نہایت سختی کے ساتھ عمل کیا۔

جبلہ ابن الایہم غسان کا بادشاہ مسلمان ہونے کے بعد ایک دن طواف کعبہ میں مصروف تھا کہ اس کے ملبوس کا دامن ایک معمولی شخص کے ہاتھوں سے دب کر چھٹ گیا جبلہ نے برہم ہو کر اس کی ناک پر ایک مکا مارا جس سے اس کی

---

[1] ہشام ۲۔ ۲۱۹

ناک ٹوٹ گئی۔ جب حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے حکم دیا کہ وہ بھی جبلہ کی ناک توڑ ڈالے۔ جب جبلہ نے سُنا تو اسے بہت ناگوار گذرا اور بولا "کیا میں غسان کا بادشاہ نہیں ہوں؟" آپ نے فرمایا کہ "اللہ کے نزدیک شاہ وگدا سب ایک ہیں۔ جبلہ نے یہ سنکر بہت پیچ وتاب کھائے اور بھاگ گیا[۱]

ہر چند کہ اعراب وغیر اعراب کے درمیان مساوات قائم کر دی گئی تھی لیکن حضرت عمرؓ کبھی اس کو پسند نہیں فرماتے تھے کہ اعراب عجمیوں کی عادات و اطوار اختیار کر لیں یا اعراب کسی طرح ذلیل زندگی بسر کریں۔ آپ فرماتے تھے کہ ایک عرب کے لئے یہ سخت شرمناک بات ہے کہ وہ کسی کی غلامی میں زندگی بسر کریں۔ چنانچہ آپ نے تمام عرب لونڈیوں کو جو قبل اسلام تھیں یا بعد ظہور اسلام بنائی گئیں خرید کر کے آزاد کر دیا[۲] آپ کسی اجنبی کا مدینہ میں آکر آباد ہو جانا پسند نہیں فرماتے تھے[۳] آپ نے خیبر کو بھی مسلمانوں کے درمیان تقسیم کر دیا اور نجران کے یہودیوں کو منتقل کر دیا۔ اسی طرح وادی القریٰ کو بھی خالی کر کے مسلمانوں کو دے دیا۔ آپ چاہتے تھے اور تاکید کرتے تھے کہ اعراب اپنے انساب کی طرف سے غافل نہ ہو جائیں، تاکہ ان کے جذبات قوم پرستی باقی رہیں آپ فرمایا کرتے تھے کہ "تعلموا النسب ولا تکونوا کنبط السواد اذا سئل احدکم عن اصلہ قال من قریۃ کذا" اپنے نسب نامے یاد رکھو نبطیوں کی طرح، جب تم سے نسب کی بابت پوچھا جائے تو یہ نہ کہو کہ ہم فلاں گاؤں کے ہیں[۴]

باوجود اس کے حضرت عمرؓ اعراب میں باہم اتحاد و اتفاق اور ان کی قوت

---

[۱] ہشام ۲- ۲۱۹ [۲] اثیر ۲ ۱۸۶ [۳] مسعودی ا- ۲۹

[۴] اثیر ۲۰- ۲۸۰ [۵] خلدون ا- ۱۰۶

کو مجتمع دیکھنا چاہتے تھے لیکن آپ نے ان کو اس پر بھی مجبور کیا کہ وہ عراق و شام میں جا کر آباد ہوں۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ "حجاز تمہارا گھر صرف اس لئے ہے کہ اسے اپنا مرکز بناؤ۔ تم کو ان زمینوں پر بھی چھا جانا چاہئے جن کے عطا فرمانے کا خدا نے وعدہ کیا ہے" آپ جانتے تھے کہ شام و عراق کے اعراب ان سے ملیں گے اور آیندہ فتوحات میں مدد کریں گے۔ چونکہ فارس والوں نے شام و عراق کے اعراب پر بہت مظالم کئے تھے اور یہ ایرانیوں کے خلاف اپنے دلوں میں سخت برہمی لئے ہوئے تھے اس لئے حضرت عمرؓ سمجھتے تھے کہ جب اعراب حجاز ان سے مل جائیں گے، تو دونوں کی قوت مجتمعہ آیندہ اشاعت اسلام کے لئے زیادہ مفید و معاون ثابت ہوگی۔

ہر چند شام و عراق کے اعراب اور فارس والے دونوں عیسوی مذہب رکھتے تھے لیکن انہوں نے حجاز کے اعراب کا نہایت مسرت کے ساتھ خیر مقدم کیا خصوصیت کے ساتھ عراق کے اعراب نے بڑا آخر کار حجازیوں کے دوش بدوش ایرانیوں سے لڑے۔ شامیوں نے علانیہ جنگ میں کوئی نمایاں حصہ نہیں لیا، لیکن اس میں کلام نہیں کہ انہوں نے دیگر ذرائع سے مسلمانوں کی بہت مدد کی اور بعض نہایت مفید اطلاعات بہم پہنچائیں۔

جب ولید بن عقبہ سلطنت بازنطین کی حدود پر حملہ کرنے کے لئے گئے تو انہیں ایک عیسائی عرب ملا۔ اس نے کہا کہ اگرچہ میں مسلمان نہیں ہوں لیکن اس حیثیت سے کہ تمہارا ہم وطن ہوں تمہیں اطلاع دینا اپنا فرض سمجھتا ہوں کہ تمہارے دشمن صرف دوپہر تک جنگ کریں گے۔ اگر دوپہر تک تم نے اپنی کمزوریوں کو ظاہر نہ ہونے دیا اور پامردی کے ساتھ مقابلہ کیا تو وہ

ملہ خلدون ۱-۲۲

بھاگ جائیں گے۔ چنانچہ یہ اطلاع حقیقتاً بہت مفید ثابت ہوئی [1]

جب حضرت عمرؓ نے شام و عراق فتح کرنے کا ارادہ کیا تو آپ سمجھتے تھے کہ وہاں کے اعراب یقیناً حجازیوں کا ساتھ دیں گے اور باوجود اختلاف مذہب وہ کبھی اپنے اپنے ملک کے لوگوں سے فریب نہ کریں گے۔ الغرض یہ مسئلہ ہر وقت حضرت عمرؓ کے پیش نظر رہتا تھا کہ اعراب میں باہم اتفاق و اتحاد قائم رہے اور ان میں تفریق انشقاق پیدا نہ ہو۔

جب مسلمانوں کو فتح حاصل ہوئی۔ تو عیسائی اعراب پر جزیہ قائم کرنے کا خیال ہوا انہوں نے جزیہ دینے سے انکار کیا، حضرت عمرؓ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ یہ لوگ کبھی جزیہ دینے پر راضی نہ ہوں گے، اور چونکہ یہ مسلمانوں کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اس لئے مصلحت نہیں ہے کہ انہیں دشمنوں سے مل جانے کا موقع دیا جائے حضرت عمرؓ نے اس رائے کو پسند فرمایا۔ اور بجائے جزیہ کے انہیں زکوٰۃ دینے پر راضی کیا اور اس بات کا عہد لیا کہ اپنے بچوں کو عیسائی نہ بنائیں گے [2]

اس رواداری سے بھی حضرت عمرؓ کا مقصود اعراب کے درمیان رشتہ اتحاد قائم کرنا تھا۔ جب ولید ابن عقبہ عراق اور جزیرہ فتح کرنے کے لئے گئے تو تمام عیسائی عرب وہاں کے ان کے شریک ہو گئے۔ صرف ایک قبیلہ ریاد شریک نہیں ہوا اور حدود بازنطین میں چلا گیا۔ ولید نے حضرت عمرؓ کو اطلاع دی تو آپ نے وہاں کے بادشاہ کو لکھا کہ "ایک قبیلہ اعراب ہمارے ملک سے نکل کر تمہارے ملک میں چلا گیا ہے یا تو اسے واپس کرا دو۔ ورنہ ہم اپنے

---

[1] آغانی ج ۴ - ۱۸۷ [2] معارف

ملک کے تمام عیسائیوں کو نکال کر تمہارے پاس بھیج دیں گے۔" اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قبیلہ کا قبیلہ واپس کر دیا گیا۔[1]

حضرت عمرؓ نے پہلے عراق و شام کے فتح کرنے کی تدبیر اس لئے اختیار کی تھی کہ دونوں مقامات کے عرب آپس میں مل جائیں اور پھر اس قوت متحدہ کو یونانیوں اور ایرانیوں کے خلاف کام میں لائیں۔ آپ نے اسی لئے ۱۵ھ سے پہلے اعراب کو اس بات کی اجازت نہیں دی کہ وہ دور کے ملکوں کی طرف متوجہ ہوں۔ کیونکہ آپ کا مقصود یہ تھا کہ پہلے اندرون ملک میں اتحاد کامل ہو جانا ضروری ہے۔

جب عمرو بن العاص نے آپ سے مصر پر حملہ کرنے کی اجازت طلب کی اور کہا کہ "میں ایام جاہلیت سے مصر کے حالات سے اچھی طرح آگاہ ہوں اگر وہ فتح ہو گیا تو مسلمانوں کو بہت بڑی مدد ملے گی کیونکہ وہ بہت متمول ملک ہے"۔ تو آپ نے پہلے انکار کر دیا لیکن جب زیادہ اصرار کیا گیا' تو آپ نے بہت پس و پیش کے ساتھ اجازت دی اور کہا کہ "اچھا جاؤ' کامیابی کے لئے خدا سے دعا کروں گا' میری طرف سے تمہیں ہدایتیں پہنچتی رہیں گی۔ اگر مصر میں داخل ہونے سے پہلے میں تمہیں واپسی کی ہدایت کر دوں' تو فوراً واپس چلے آنا اور اگر تم حدود مصر میں داخل ہو جاؤ تو پھر خدا پر بھروسہ کر کے بڑھتے چلے جانا"۔

عمرو بن العاص نے جلدی جلدی مصر کی طرف بڑھنا شروع کیا کہ مبادا کوئی حکم واپسی کا آجائے بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ العریش کے قریب پہنچے ہی تھے کہ ایک تحریر حضرت عمرؓ کی ملی' یہ مقام حدود مصر سے باہر تھا لیکن انہوں نے اس خط کو اس وقت تک کھول کے نہیں پڑھا

[1] اثیر ۲ - ۲۶۲

جب تک العریش میں داخل نہیں ہو گئے۔ لیکن حقیقت یہی ہے کہ آپ کو یہ تحریر حدود مصر میں پہنچنے کے بعد ملی۔ اس خط میں ہدایت تھی کہ "اگر یہ تحریر حدود مصر میں داخل ہونے سے پہلے تمہیں مل جائے تو فوراً واپس آجاؤ، لیکن اگر تم نے سرزمین مصر میں قدم رکھ دیا ہے تو بڑھتے جاؤ، میں تمہارے لئے کمک بھیجوں گا"۔ چنانچہ مصر فتح ہو گیا۔

جب مسلمانوں نے اہواز فتح کر لیا۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا "میں چاہتا ہوں کہ کاش مسلمانوں اور فارسیوں کے درمیان ایک آتشی پہاڑ حائل ہو جائے تاکہ ایک دوسرے سے مل نہ سکیں"۔ جب مسلمانوں کی فاتح جماعت کسی مفتوحہ مقام میں قیام کرنے یا آباد ہونے کی خواہش کرتی تو آپ فرماتے کہ "تمہیں ایسی جگہ نہ رہنا چاہیے، جس کو پانی کا کوئی حصہ مدینہ سے جدا کرتا ہو، بلکہ ایسی جگہ رہنا چاہیے، جہاں میں اپنے اونٹ پر بیٹھ کر تمہارے پاس آسکوں"۔ اس سے مقصود سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ اعراب ایک دوسرے سے علیحدہ نہ ہو جائیں اور ان میں افتراق خیال پیدا نہ ہو۔ جب فتوحات میں زیادہ وسعت ہوئی اور آپ بالکل مجبور ہو گئے کہ اعراب دوسری قوموں کے ساتھ تعلقات پیدا کریں اس وقت بھی آپ نے قریش کو مدینہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دی۔ آپ آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک قوم کے لئے اس سے زیادہ مضرت رساں امر اور کوئی نہیں ہے کہ وہ مختلف ملکوں میں پھیل کر اپنی جمعیت کو منتشر کر دیں۔ جب قریش میں سے کوئی شخص آپ سے کسی جنگ میں جانے کی اجازت چاہتا تو آپ فرماتے کہ "تم رسول اللہ کے ساتھ رہ کر کافی حصہ جنگ میں لے چکے ہو۔ اپنے وطن کو جنگ کے لئے چھوڑنے کی بجائے بہتر یہ ہے کہ تم دنیا چھوڑ دو" لیکن جب حضرت عثمانؓ کا عہد شروع ہوا تو یہ اُصول نظر انداز کر دیا گیا، اور اعراب مختلف

ممالک میں پھیل گئے۔ؔ[۱]

حضرت عمرؓ کی پالیسی یہ تھی کہ جماعت اعراب جزیرہ نمائے عرب شام و عراق سے آگے نہ جائیں اور قریش مدینہ میں رہیں جو مرکز اسلام تھا ہر چند جب فتوحات وسیع ہوئیں تو اس اصول پر عمل کرنا بہت دشوار ہوگیا، لیکن حضرت عمرؓ نے اس وقت بھی اپنی کوشش اس امر پر صرف کی کہ اعراب کا شیرازۂ قومیت منتشر نہ ہونے پائے۔ ظہور اسلام سے قبل اعراب کی جماعت مختلف قبائل میں منقسم تھی اور ہر قبیلہ دوسرے سے جدا اغراض و مقاصد رکھتا تھا لیکن اسلام نے ان سب کو ملا دیا اور نسل و قبیلہ و امتیاز کو مٹا کر صرف مذہب کو اتحاد و اتفاق کا ذریعہ قرار دیا۔

اسلام کے بعد ہی اعراب مدارج قائم تھے لیکن اس کی صورت یہ نہ تھی جب رسول اللہ نے تبلیغ شروع کی تو آپ کو اعوان و انصار کی ضرورت تھی چنانچہ بہت سے قبائل نے اسلام قبول کیا اور آپ کی مدد کی۔ ان لوگوں میں ایک جماعت تو ان لوگوں کی تھی جو آپ کے ساتھ مدینہ چلے گئے جن کو مہاجرین کہا جاتا ہے۔ مدینہ پہنچنے کے بعد جس جماعت نے آپ کی مدد کی ان کو انصار کہا گیا اور یہ دونوں جماعتیں صحابہ کہلاتی تھیں۔ اس طرح ابتدائی اسلام میں صرف یہ دو تقسیمیں تھیں لیکن بعد کو جب فتوحات بڑھیں تو ان کے جذبات کے لحاظ سے مختلف جماعتوں کو مختلف ناموں سے موسوم کیا گیا۔ مثلاً وہ لوگ جنہوں نے جنگ بدر میں اعانت کی انہیں اصحاب بدر کا لقب دیا گیا اور جو جنگ قادسیہ میں شریک تھے انہیں محاربین قادسیہ کے نام سے پکارا جانے لگا اور اعلیٰ قدر مراتب ان لوگوں کے حقوق قائم کئے گئے۔ اسی طرح جن لوگوں نے سب سے پہلے رسول اللہ

ؔ[۱] ۳-۹۰

کے ہاتھ پر بیعت کی، اُن کے حقوق زیادہ تسلیم کئے گئے اور جو بعد کو مسلمان ہوئے
اُن کے کم۔ اسی طرح جو لوگ صلح حدیبیہ سے پہلے رسول اللہ کے شریک تھے۔
اِن کا درجہ بعد صلح کے شامل ہونے والوں سے زیادہ بلند سمجھا گیا۔ علاوہ اس
کے حافظ قرآن و غیر حافظ میں بھی تفریق کی گئی۔ الغرض ظہور اسلام کے بعد جو
تفریق قائم کی گئی۔ اس کی بنیاد بالکل مذہب پر تھی ورنہ یوں تمام انسان مذہب
کے نزدیک تھے۔ البتہ چونکہ قریش سے رسول اللہ کا زیادہ تعلق تھا اور یوں
بھی زمانہ جاہلیت میں یہ قبیلہ بہت معزز و ممتاز تھا۔ اس لئے بعد ظہور اسلام
بھی اس کی عزت و وقعت بہت کی جاتی تھی اور اس کو جو حقوق حاصل تھے وہ
دوسرے قبائل کے لحاظ سے زیادہ ممتاز و نمایاں تھے۔

جب تک رسول اللہ زندہ رہے اس وقت تک تو خیر ان تمام امتیازات
پر کسی کو اعتراض کرنے کا حق ہی حاصل نہ تھا اور نہ لوگوں کا خیال اس طرف متوجہ
ہوتا تھا لیکن خلیفہ اول و ثانی کے زمانہ میں بھی اس طرف توجہ کسی نے نہیں کی
اور ان کے حسن انتظام نے تفوق و برتری کے خیال کو کسی کے دل میں قائم نہیں
ہونے دیا۔ لیکن خلیفہ ثالث کے زمانہ سے مہاجرین و انصار، قریش و
غیر قریش کے فرق و امتیاز پر تنقید کرنے کی ابتدا ہوئی اور حضرت علی کرم اللہ وجہٗ
کے زمانہ میں تو اس خیال نے کھلی ہوئی انتشار و افتراق کی صورت اختیار کر لی
مہاجرین کے اغراض و مقاصد انصار سے، قریش کے مصالح غیر قریش سے
بالکل جدا ہو گئے اور ہر گروہ اپنے تفوق و برتری کی کوشش میں مصروف ہو گیا خصوصاً
بنو امیہ کے زمانہ میں تو عہد جاہلیت کا دیرینہ مذاق پھر عود کر آیا اور انصار
مہاجرین میں وہی مخالفت قائم ہو گئی جو عدنانیوں اور قحطانیوں میں چلی
آتی تھی انصار حضرت علی کرم اللہ وجہ کے طرف دار ہو گئے۔ اور مہاجرین

امیر معاویہؓ کے اس طرح عناد و مخالفت کا بازار پھر گرم ہو گیا اور وہ رشتۂ اخوت و ہمدردی جو اسلام نے قائم کیا تھا کمزور ہو کر پارہ پارہ ہو گیا۔

خلفائے راشدین کے زمانہ میں اسلام کوئی سیاسی چیز نہ تھا اور نہ خلیفہ سیاسی نقطۂ نظر سے بادشاہ یا سلطان سمجھا جاتا تھا۔ بلکہ خلافت صرف ایک مذہبی خدمت تھی، جو انتہائے حزم و احتیاط کے ساتھ انجام دی جاتی تھی، اور قیام سلطنت یا ملک گیری کے خیال کو کوئی دخل نہ تھا۔ نہ وہاں جاہ و ثروت سے غرض تھی، نہ دولت و امارت سے، بلکہ مقصود صرف یہ تھا کہ جو مذہبی روح رسول اللہ کے زمانہ میں پیدا ہو گئی تھی۔ وہ علی حالہا قائم رکھی جائے اور اسی کو پیش نظر رکھکر انتظام کی بنیاد مستحکم کی جائے۔ یقیناً خلیفہ اوّل و دوم اس میں بہت کامیاب ہوئے اور ان کے زمانہ میں اسلام نے صحیح معنی میں ترقی کی۔ خلیفہ سوم و چہارم کا عہد بھی اس لحاظ سے قابل عزت و عظمت ہے کہ اُنھوں نے بھی اپنے اصول وہی رکھے جو اسلام نے قائم کر دیئے تھے۔ اور اپنی تمام کوششیں اس کی بقا میں صرف کر دیں۔ لیکن چونکہ بہت سی اندرونی کلفتیں پیدا ہو چکی تھیں اور حضرت عثمانؓ اور حضرت علیؓ بے انتہا رحیم المزاج نیک طینت بے ریا لوگ تھے، اس لئے وہ اس آگ کو جو اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، پوری طرح دبا نہ سکے۔ تاہم اس لحاظ سے کہ خلافت کی بنیاد ان کے زمانہ میں بھی مذہبیت پر قائم رہی، ان کا عہد بھی خلافت کے عہد اول میں شمار کیا جائے گا۔

(۱) حضرت ابو بکرؓ جب مسلمان ہوئے تو آپ کے پاس چالیس ہزار درہم موجود تھے۔ لیکن آپ نے یہ کثیر رقم اور علاوہ اس کے جو کچھ تجارت سے آپ کو نفع ہوا سب ترقی اسلام میں صرف کر دیا، یہاں تک کہ جب آپ کا

وصال ہوا ہے تو صرف ایک دینار آپ کے پاس تھا۔

آپ کی زندگی اس قدر سادہ تھی کہ خلیفہ ہونے کے بعد بھی آپ نہایت معمولی آدمیوں کی طرح بازار سے اپنا سودا خود لے آتے تھے پیدل چلا کرتے تھے، خود دودھ دوہتے تھے، اور کبھی کبھی اپنے مویشیوں کو چراتے بھی تھے۔

جب آپ خلیفہ ہو گئے تو آپ کی ایک لونڈی نے کہا کہ اب بھی کوئی ایسا شخص نہیں جو دودھ نکال دیا کرے، آپ نے سنکر فرمایا کہ خلافت میرے اندر کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتی۔ آپ اس درجہ محتاط تھے کہ خلافت کے بعد آپ نے اپنی مشغلہ تجارت کو بھی ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس میں وقت زیادہ صرف ہو جاتا تھا اور آپ انتظامی معاملات کے لئے پورا وقت نہ دے سکتے تھے، تجارت کرنے کے بعد آپ صرف چھ ہزار درہم سالانہ اپنے مصارف کے لئے بیت المال سے لیتے تھے۔

جب آپ کا وصال کا وقت آیا تو آپ نے فرمایا کہ میری جو کچھ جائداد ہے فروخت کر دی جائے اور جو کچھ حاصل ہو وہ بیت المال میں داخل کر دیا جائے

الغرض آپ کا زمانہ یقیناً اسلام کا عہد زریں تھا لیکن افسوس ہے کہ آپ کی عمر نے زیادہ وفا نہیں کی، ورنہ جو اصول آپ نے اختیار کر لئے تھے، وہ ایسے مستحکم تھے کہ اگر آپ کچھ زمانہ اور زندہ رہتے تو عربوں میں اس قدر جلد انتشار نہ پیدا ہو جاتا۔

(۲) حضرت عمرؓ کے زمانہ میں باوجود اس کے کہ بہت سے ممالک فتح ہوئے اکاسرۂ ایران اور سلاطین روم کی دولت کا انبار لگ گیا لیکن آپ کی زندگی آپ کی معاشرت میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوا جس طرح آپ خلافت سے پہلے پیوند

ٹلے ہوئے کپڑے پہنتے تھے، اسی طرح بعد خلافت بھی آپ دیکھے جاتے تھے۔

بیت المال سے جو کچھ آپ لیتے تھے، وہ ہرگز آپ کے لئے کافی نہ ہوتا تھا اور جب ضرورت ہوتی تھی تو محافظ بیت المال کے پاس آپ جاتے اور اس سے قرض لے کر وعدہ کرتے کہ آیندہ قسط میں رقم واپس کر دوں گا۔

آپ بیت المال کی بہت سخت حفاظت کرتے تھے اور انہیں اُمور پر صرف کرتے تھے جن کی قوم و ملک کو ضرورت تھی، وہ تمام مذہبی و انتظامی معاملات کو خود دیکھتے تھے، اور قرآن کا درس ایک ایک گلی میں جا کر لوگوں کو دیا کرتے تھے۔ جو آپ کہتے تھے سب سے پہلے آپ ہی اس پر عمل کرتے تھے۔

آپ نے بدویوں کے پاس لوگوں کو بھیجا تاکہ انہیں قرآن کی تعلیم دیں اور اس کی بھی جانچ کرتے رہتے تھے کہ وہ کہاں تک تعلیمات اسلام پر عمل کرتے ہیں۔ اگر کوئی شخص خلافِ احکام شریعت عمل کرتا تھا تو آپ اسے سخت سزا دیتے تھے لہ

آپ تمام عمال کی سخت نگرانی کرتے تھے، اور اگر کسی کو جادۂ مستقیم سے ہٹا ہوا دیکھتے تھے تو فوراً معزول کر دیتے تھے۔ اس میں وہ کسی کی رعایت نہ کرتے تھے خالد ابن ولید کے طرز عمل کے متعلق آپ نے شکایت سُنی تو انہیں بُلا کر سخت زجر و توبیخ کی اور معزول کر دیا۔

آپ کے رعب و جلال کی یہ کیفیت تھی کہ کسی شخص کو مخالفت کا یارا نہ تھا اور سب آپ کے احکام کی تعمیل نہایت خوف و احتیاط کے ساتھ کرتے تھے۔ خائن اور غیر دیانت دار لوگوں کے لئے آپ بے انتہا سخت تھے اور کبھی بغیر سزا کے نہ چھوڑتے تھے، لیکن اس سختی کے ساتھ ہی آپ کی شفقت و

لہ اغانی ۱۴-۶۸

محبت کا یہ عالم تھا کہ عام مسلمانوں کے ساتھ اس طرح پیش آتے تھے جیسے کوئی اپنے باپ بھائی سے پیش آتا ہے۔

جو لوگ جنگ کے سلسلہ میں باہر چلے جاتے تھے، آپ ان کے گھروں پر جاتے اور اس کا بہت خیال رکھتے کہ ان کے متعلقین کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ پھر آپ کا یہ طرزِ عمل صرف اعراب اور مسلمانوں ہی کے ساتھ نہ تھا، بلکہ غیر اعراب اور غیر مسلم کے لئے بھی آپ ایسے ہی شفیق و رحیم تھے۔

آپ کے عہد خلافت میں انتظام کی یہ حالت تھی کہ کسی جگہ سے کوئی جھول نظر نہ آتا تھا اور جو شخص مسلمان ہو کر علم اسلام کے نیچے آجاتا تھا، وہ نہایت مطمئن زندگی بسر کرتا تھا لیکن افسوس یہ ہے کہ آپ کے بعد جن ہاتھوں میں خلافت منتقل ہوئی، وہ اس نظام کو قائم نہ رکھ سکے اور آپ کے وصال کے ساتھ ہی خراسان و سجستان وغیرہ میں آثار بدامنی پیدا ہونے لگے۔ؔ

(۳) حضرت عثمانؓ بن عفان اپنے تقویٰ و خلوص، صداقت و دیانت کے لحاظ سے وہی مرتبہ رکھتے تھے جو خلیفہ اول و ثانی کا تھا، لیکن سیاسی معاملات اور انتظامی امور میں آپ اپنے سابقین کی پیروی نہ کر سکے تھے کیونکہ آپ فطرتاً بے انتہا نیک اور صاف دل تھے اور آپ سمجھتے تھے کہ کسی مسلمان سے یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ خود غرضی سے کام لے کر اسلام یا جماعت اسلام کو نقصان پہنچائے۔

آپ نے انتظام میں بنو امیہ کو زیادہ درخور حاصل کرنے کا موقعہ دیا اور یہ واقعہ ہے کہ ان میں سے بعض نے اپنے فرائض کو اچھی طرح انجام نہیں دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں کو مخالفت کرنے کا خیال پیدا ہوا اور اس طرح

ؔ اثیر ۳-۶۰

اتحاد و اتفاق کی وہ زنجیر جس کو خلیفۂ اول و ثانی نے اس قدر محنت و جانفشانی سے مربوط کیا تھا کمزور ہو گئی۔

حضرت عثمانؓ ایک دولتمند شخص تھے اور عام طور سے لوگ آپ کو غنی کے لفظ سے پکارتے تھے۔ علاوہ نقد کے آپ کے پاس جائداد ارضی بھی کافی تھی اور اونٹ اور گھوڑے بھی کثیر تعداد میں پائے جاتے تھے۔

خلیفہ اول و ثانی کے زمانہ میں صحابہ کو جنگ اور اندرونی معاملات کے انتظام سے فرصت نہیں ملی کہ وہ اپنی مالی حالت کی طرف متوجہ ہوتے لیکن چونکہ حضرت عثمانؓ خود دولت و جائداد رکھتے تھے اور ملک کا انتظام ایک حد تک مکمل ہو چکا تھا اس لئے صحابہ کو اپنے حال کی طرف توجہ کرنے کا موقعہ ملا اور انہوں نے اول مرتبہ آپ کے زمانہ میں تعمیر مکانات و حصول دولت کی تدابیر اختیار کیں[1] اور اس طرح وہ آہستہ آہستہ آرام و آسائش کے عادی ہو گئے۔ اس لئے جب حضرت علی کرم اللہ وجہٗ خلیفہ ہوئے اور آپ نے خلیفہ ثانی کی طرح پھر لوگوں کو محنت و جانفشانی کا عادی بنانا چاہا، تو وہ طبیعتیں جو آرام کی خوگر ہو چکی تھیں برہم ہوئیں اور بنو امیہ کے شریک ہو گئیں، جو خلافت کو اپنے زیر اثر لانا چاہتے تھے، اور جن کے ساتھ لطف و تفریح، جاہ و دولت کی بہت سی توقعات انہوں نے قائم کر لی تھیں۔

(۴) حضرت علی بن ابی طالبؓ کے زہد و ورع، خلوص و تقویٰ کی بہت سی مثالیں پائی جاتی ہیں۔ آپ نہایت پُرجوش قلب رکھتے تھے اور اپنے افعال و اقوال کے لحاظ سے نہایت متقی شخص تھے۔ جو کچھ آپ کے دل میں ہوتا تھا، وہی زبان پر آتا تھا۔ آپ کبھی کسی صداقت کے مقابلہ میں

---

[1] مسعودی ۱۔ ۳۰۱

مصلحت اندیشی یا ڈپلومیسی کو ترجیح نہ دیتے تھے۔

آپ کے تمام حرکات و افعال خالص مذہبی ہوتے تھے، اور ان میں کسی اور خیال کا اثر شامل نہ ہوتا تھا۔ آپ کی زندگی اس قدر سادہ تھی کہ جب رسول اللہؐ کی محبوب صاحبزادی حضرت فاطمہؓ سے آپ کا نکاح ہوا تو سوائے ایک کھال کے آپ کے گھر میں اور کوئی چیز نہ تھی، جس کا بستر ہو سکتا۔ آپ کے پاس کوئی خادم بھی نہ تھا۔

جب آپ خلیفہ ہوئے اور اصفہان سے خراج آیا، تو آپ نے اس کے سات حصے کر کے برابر برابر تقسیم کر دیئے۔ ایک روٹی باقی رہ گئی تھی اس کے بھی سات ٹکڑے کر کے دیدیئے۔

آپ کی عسرت کا یہ عالم تھا کہ صرف ایک کرتہ جسم پر ہوتا تھا اور آپ سردی سے کانپنے لگتے تھے۔ انکسار کا یہ عالم تھا کہ ایک بار آپ کچھ کھجوریں لئے جا رہے تھے، لوگوں نے کہا ہمیں دے دیجئے ہم پہنچا دیں۔ لیکن آپ نے اس کو قبول نہیں کیا۔

جب آپ کوئی جماعت کسی مہم پر روانہ کرتے تو ان کو تاکید فرما دیتے کہ دشمن کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کریں اور عورتوں سے بالکل تعرض نہ کریں۔

آپ نے اپنے عمال کی نگرانی میں بھی قریب قریب اسی احتیاط اور سختی کو پیش نظر رکھا جو خلیفۂ ثانی کے زمانہ میں جاری تھی، لیکن فرق یہ ہے کہ اُس وقت تک رسول اللہؐ کی تعلیمات کا ایک قوی اثر لوگوں کے دلوں میں پایا جاتا تھا اور وہ تمام سختیوں کو خیر محض سمجھ کر برداشت کرتے تھے۔ لیکن حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے زمانہ میں ملک کی حالت وہ باقی نہیں رہی تھی، بلکہ لوگوں کے اغراض و مقاصد میں بہت کچھ تغیر ہو گیا تھا اور اس لئے حضرت علی کرم اللہ وجہ کی سختی بجائے مفید

ثابت ہونے کے لوگوں کو اندرونی مخالفت پر آمادہ کر رہی تھی۔

بہر نوع اس میں کلام نہیں کہ اگر حضرت علی کرم اللہ وجہہ کا زمانۂ خلافت خلیفہ دوم کے بعد ہوتا تو آپ کی ذات سے اسلام کو بہت فائدہ پہنچتا اور وہ نظام جو حضرت عمرؓ کے مضبوط ہاتھوں نے قائم کیا تھا ایک زمانہ دراز تک غیر متزلزل رہتا۔

زمانہ جاہلیت میں اعراب کی آبادی بہت کم تھی اور زیادہ سے زیادہ آٹھ ہزار محاربین کی جماعت فراہم ہو سکتی تھی جب ظہور اسلام ہوا تو مسلمانوں کی تعداد بہت ہی کم تھی لیکن جب رفتہ رفتہ اسلام کی اشاعت ہوئی اور فتوحات کا سلسلہ بڑھا تو اس امر کی ضرورت محسوس ہوئی کہ آبادی بڑھے اور اس طرح ایک پوری جماعت اسلام کی محافظ بن سکے۔ زمانۂ جاہلیت میں بھی ایک خاندان یا قبیلہ کی وسعت بڑی قوت سمجھی جاتی تھی۔ اگر کسی کا خاندان مختصر ہوتا تھا تو اس کو وسیع کرنے کی کوشش کی جاتی تھی اور یہی سبب تھا کہ زمانہ جاہلیت میں ایک شخص بلا تعین جتنی چاہے بیویاں رکھ سکتا تھا۔ جب رسول اللہ مبعوث ہوئے تو اور اسلام کا دائرہ وسیع ہونے لگا اور زیادہ ضرورت اس امر کی محسوس ہوئی کہ مسلمانوں کے خاندان وقبائل وسیع وقوی بنائے جائیں اور اسی لئے چار شادیاں کرنے اور لونڈیاں رکھنے کی اجازت دی گئی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض لوگوں کے پچاس پچاس سو سو اولاد ہوئی المغیرہ ابن شعبہ کے پاس چار بیویاں اور چہتر باندیاں تھیں[1] المہلب کے تین سو بچے ہوئے[2] اور عبدالرحمن ابن الحکم کے ایک سو پچاس بیٹے اور پچاس لڑکیاں ہوئیں[3] تمیم ابن المفرطمی نے سو سے زیادہ لڑکے ۵۰ سے زیادہ لڑکیاں چھوڑیں[4] عمر بن الولید کے ۱۰ بیٹے تھے جن میں سے ساٹھ شہسوار تھے[5]

---

[1] اغانی ۱۴-۱۴۳۔ معارف ۱۰۰ [2] خلکان ۲-۱۴۷ [3] نفح الیبار ۱-۱۴۴
[4] خلکان ۱-۹۹ [5] عقد الفرید ۲-۲۵۸

ابن سیرین کے تیس بیٹے اور گیارہ لڑکیاں صرف ایک بیوی سے تھیں۔ پھر ظاہر ہے کہ جب ایک خاندان میں اس قدر کثرت سے اولاد ہوگی اور اولاد کی وجہ سے جو تعلقات دوسرے خاندانوں سے پیدا ہوں گے وہ کس قدر معاون و مفید ثابت ہونگے۔

زمانۂ جاہلیت میں جماعت اعراب صرف جزیرہ نمائے عرب میں محدود تھی اور شام و جزیرہ میں ان کی کچھ تعداد پائی جاتی تھی۔ جب ظہور اسلام ہوا تو ساری منتشر قوت حفاظت اسلام کے سلسلہ میں ایک جگہ سمٹ کر مجتمع ہوگئی اور پھر رفتہ رفتہ غیر ممالک میں فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا۔ یہانتک کہ ایک طرف ان کا پرچم مشرق میں دریائے گنگ کے ساحل پر لہرارہا تھا اور مغرب میں بحر اطلانتک کے کنارون پر۔ اُن کی فتوحات نے قریب قریب ساری دنیا کو متحیر کردیا اور زمین کا کوئی حصہ ان سے متاثر ہوئے بغیر نہیں بچا۔ لیکن اس میں کلام نہیں کہ جب اعراب عجمیوں سے ملے تو اُن کے عادات و اطوار میں تغیر پیدا ہونے لگا اور اس طرح وہ صحیح عربی روح جس نے دنیا کو متزلزل کردیا تھا ضعیف ہونے لگی اور اس طرح رفتہ رفتہ حکومت اسلام میں ضعف کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

خاص خاص قبائل جنہوں نے اشاعت اسلام میں بڑا حصہ لیا یہ تھے: عمارہ مضر میں قریش، کنانہ، خزاعہ، اسد، ہذیل، تمیم، غطفان، ہوازن، ثقیف، سعد ابن بکر، عمارہ، عامر، قیس، تغلب، بکر، حنیفہ، عجل وغیرہ عمارہ کہلان میں۔ اوس، خزرج، غسان، مراد، زبید، نخع، اسفر، کندہ وغیرہ حمیری سلسلہ میں حکب صالح وغیرہ

اعراب دنیا میں صرف جنگ و حرب ہی کے سلسلہ سے نہیں پھیلے، بلکہ جب فتوحات وسیع ہوگئیں اور بہت سے جدید ممالک مسلمانوں کے قبضہ میں آگئے تو بہت سے قبائل یوں بھی دوسرے ملکوں میں چلے گئے۔ چنانچہ ابتدائے اسلام میں قبیلہ خزاعہ

کے بہت سے خاندان مصر و شام کی طرف چلے گئے۔[1]

اسلام سے پہلے بھی اعراب قحط و خشک سالی کے زمانہ میں ادھر اُدھر چلے جانے کے عادی تھے، لیکن شام و مصر، عراق و فارس سے آگے نہ بڑھتے تھے اور یہاں بھی وہ زیادہ دنوں تک نہ رہتے تھے بلکہ چند روز بعد واپس آجاتے تھے، صرف اس خیال سے کہ دوسروں کے محکوم نہ بنیں، لیکن چونکہ اسلام کے عہد میں یہ خوف جاں رہا تھا، وہ جدھر جاتے تھے اسلام ہی کی حکومت نظر آتی تھی۔ اس لئے وہ آزادی کے ساتھ دوسرے ممالک میں جاتے تھے اور وہاں قیام کرنے کے لئے کوئی مانع نہ پاتے تھے۔

اس کے علاوہ ایک وجہ اور بھی تھی کہ جب غیر ممالک میں اعراب میں سے کوئی عامل یا حاکم مقرر کیا جاتا تھا تو اسے ضرورت ہوتی تھی کہ بغرض انتظام ایک جماعت اپنے ہم قوم یا ہم قبیلہ لوگوں کی اپنے پاس رکھیں، اس لئے وہ ان کو بلا کر اپنے پاس رکھتا اور ان کی بہت رعایت کرتا تھا۔ اس طرح عرب کثرت سے اِدھر اُدھر منتقل ہو کر آباد ہو گئے۔ کبھی کبھی بعض مفسد قبائل کو حکومت جبراً دوسرے مقامات میں منتقل کر دیتی تھی تاکہ امن قائم رہے۔ چنانچہ دو خاندان **بنو ہلال** اور **بنو سلیم** کی چوتھی صدی ہجری تک بہت وحشیانہ اور بدویانہ حالت میں پائے جاتے تھے۔ **بنو ہلال** کا میدانِ قزاقی طائف کے قریب **جبل غزوان** تھا، اور **بنو سلیم** کا اطراف مدینہ گرمی اور جاڑوں میں وہ شام و عراق کے قرب و جوار میں پھر کر لوٹ مار کیا کرتے تھے **بنو سلیم** ان قافلوں پر بھی حملہ کرتے تھے جو زمانہ حج میں مکہ یا مدینہ کے عازم ہوتے تھے۔ خلفائے عباسیہ کے زمانہ میں ان کا کوئی انسداد نہ ہو سکا، لیکن جب فاطمی سلطنت کی بنیاد قائم ہوئی، اور **العزیز باللہ** کا زمانہ حکومت آیا تو اس نے ان دونوں قبائل کے لوگوں کو زبردستی **نیل** کے مشرقی ساحل پر مصر کے بالائی حصہ میں آباد کر دیا

[1] اغانی ۱۳۔۱۰۔

لیکن یہاں بھی یہ اپنے قرب و جوار کے لوگوں اور شہروں کو نقصان پہنچایا کرتے تھے اور خلفائے فاطمیہ بہت پریشان تھے کہ ان کا کیا علاج کیا جائے۔ اتفاقاً اسی اثنار میں افریقیہ کے عامل نے بغاوت کی اور خلیفہ کا نام خطبہ سے اڑا دیا۔ یہ زمانہ مستنصر کے خلافت کا تھا اس کے وزیر حسن ابن علی نے مشورہ دیا کہ اس وقت ہلال اور سلیم کے سرداروں سے صلح کر لینی چاہیے اور صوبہ افریقیہ کا انتظام انہیں کے سپرد کر دینا چاہیے۔ اس کا نتیجہ بہرصورت بہتر ہوگا اگر یہ قبائل تباہ ہو گئے تو بھی ایک خواہش پوری ہوگی۔ اگر کامیاب ہوئے تو ایک باغی عامل کی قوت فنا ہو جائے گی خلیفہ نے اس مشورہ کو پسند کیا اور ۴۴۱ھ میں اپنے وزیر کو بھیجکر قبائل ہلال و سلیم کو ترغیب دی کہ وہ مغرب کی ٹرھکر صوبہ پر قابض ہو جائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس کو نہایت خوشی سے قبول کیا اور تمام شمالی افریقہ اپنے اقتدار میں لے آئے اور وہیں مستقلاً آباد ہو گئے۔[۱]

جب اسپین فتح ہو گیا تو وہاں بھی اعراب جوق در جوق جاکر آباد ہونے لگے، کیونکہ یہاں کی زمین بہت زرخیز تھی اور آب و ہوا نہایت اچھی یہاں پہنچ کر تمام قبائل مختلف حصص ملک میں پھیل گئے اور جس حصہ کی آب و ہوا ان کے لئے زیادہ موزوں و مناسب معلوم ہوئی وہیں قیام کر لیا۔

یہ بیان کیا جا چکا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں غلاموں کی تعداد دو حصوں پر منقسم تھی، ایک گروہ جو جنگ میں گرفتار ہوتے تھے اور دوسرے وہ جو خریدے جاتے تھے۔ اسلام کے عہد میں غلامی کا انحصار زیادہ تر رہا۔ جو ملک فتح ہوتا تھا اور دشمن گرفتار ہوتے تھے، ان کو غلام بنا لیا جاتا تھا اور مال غنیمت کے ساتھ غازیوں کو تقسیم کر دیئے جاتے تھے۔ بعض اوقات ایک شخص کے حصہ میں ہزار ہزار غلام

---

[۱] خلدون ۶-۱۴

آتے تھے۔[1] اسپین سے جب مسلمانوں کو مال غنیمت ہاتھ آیا تو اس میں لونڈی غلاموں کی بھی نہایت کثیر جماعت تھی۔ چھ مہینے مال غنیمت کی فروخت کرنے میں صرف ہو گئے تھے۔[2]

جس کے حصہ میں غلام آتے تھے وہ ان کا مالک قرار پاتا تھا اور اُسے اختیار ہوتا تھا چاہے وہ انہیں آزاد کر دے یا فروخت کر ڈالے۔ اسلام نے غلاموں کے آزاد کر دینے کی طرف بہت ترغیب دلائی اور اس کا بڑا ثواب رکھا گیا۔ اس لئے عام طور سے جو غلام مسلمان ہو جاتا تھا آزاد کر دیا جاتا تھا عبداللہ ابن عمر نے ہزار غلام اور محمد ابن سلیمان نے ستر ہزار لونڈی غلام صرف ان کے مسلمان ہو جانے کی وجہ سے آزاد کئے۔ وہ لوگ جو کچھ بھی مذہبی خیال رکھتے تھے، ہمیشہ لونڈی غلاموں کو صرف اس لئے خریدتے تھے کہ انہیں آزاد کر دیں عمرو ابن ابی ربیعہ نے اپنی ضعیفی کے عالم میں قسم کھائی تھی کہ جس قدر شعر وہ کہے گا اُتنے ہی غلام آزاد کرے گا، اور اس عہد کی اس نے پابندی کی۔[3] بعض اوقات غلام اس غرض سے بھی آزاد کئے جاتے تھے کہ انہیں جنگ کے لئے آمادہ کیا جائے۔

جنید ابن عبدالرحمن، ہشام ابن عبدالملک کی طرف سے خراسان کا گورنر تھا۔ جنگ شعب میں جب جنید نے دیکھا کہ اس کا پلہ کمزور ہوتا جاتا ہے تو اس نے عام اعلان کر دیا کہ جو غلام اس وقت جنگ میں حصہ لے گا وہ آزاد ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ غلاموں کی بڑی تعداد لڑنے کے لئے آمادہ ہو گئی اور اس قدر جوش کے ساتھ اس نے مقابلہ کیا کہ دشمن کو ہزیمت اٹھانی پڑی۔[4]

---

[1] اثیر ۱-۱۴۷ [2] نفح الطیب ۱-۲۱۳ [3] اثیر ۵-۸۰ [4] معارف ۹۷

اکثر ایسا ہوا کہ جب مسلمانوں نے کسی شہر کا محاصرہ کیا تو وہاں کے غلاموں سے کہہ دیا کہ اگر تم ہمارا ساتھ دو گے تو آزاد سمجھے جاؤ گے۔ محاصرہ طائف میں خود رسول اللہؐ نے ایسا ہی فرمایا تھا۔[1]

بہرحال اسلام غلاموں کے لئے ایک رحمت و برکت تھا اور قبل اسلام جو سختی غلاموں پر کی جاتی تھی اسے اسلام نے ممنوع قرار دیا، اور ان کے ساتھ نہایت لطف و رحم سے پیش آنے کی ہدایت کی۔ رسول اللہؐ نے تاکید کی کہ غلاموں سے زیادہ محنت نہ لی جائے، اور انہیں وہی کھانے کو دیا جائے جو مالک خود کھاتا ہے۔ کلام مجید میں جہاں تمام اعزا و اقربا و یتامیٰ کے ساتھ لطف و رافت سے پیش آنے کی ہدایت کی گئی ہے وہیں لونڈی غلاموں کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

غلاموں کی قیمت اُن کے اکتسابات کے لحاظ سے مختلف ہوتی تھی۔ اگر وہ تجارت سے ناواقف ہوتا تھا تو اس کی قیمت سو دینار ہوتی تھی، اگر وہ عمدہ چرواہا ہوتا تھا تو اس کی قیمت ۲۰۰ دینار سمجھی جاتی تھی۔ تیر و کمان بنانے والے غلام ۴۰۰ دینار کو، اور شاعری سے واقفیت رکھنے والے ۶۰۰ دینار کو فروخت ہوتے تھے۔ یہ قیمتیں زیادہ تر بنی امیہ کے عہد کی ہیں۔[2]

وہ غلام جو مسلمان ہو جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے تھے انہیں موالی کہتے تھے اور ان کے ساتھ بالکل وہی سلوک کیا جاتا تھا جیسا کہ خاندان کے کسی دوسرے فرد کے ساتھ۔ مولےٰ ہو جانے کے بعد ایک غلام خاندان کا جزو ہو جاتا تھا۔ مولےٰ کے ساتھ اعراب کو اس قدر اُنس ہو جاتا تھا کہ وہ اس کو اپنے بیٹے کی طرح خیال کرتے تھے، اور جس طرح وہ اپنی اولاد پر اعتماد رکھتے

[1] اغانی ۱۔ ۱۳۳ [2] اغانی ۱۔ ۸۳۳

تھے اسی طرح ایک مولے پر۔

اسلام نے موالی کے ساتھ اس قدر رعایت روا رکھنے کی ہدایت کر کے ن صرف غلامی کی رسم کو حقیقتاً مٹا دینے کی کوشش کی، بلکہ خود مذہب کو بھی اس سے بہت تقویت پہنچائی۔ کیونکہ ان لوگوں نے قرآن حفظ کیا، اس کی تعلیم اوروں کو دی، بہت سے علوم و فنون انہوں نے سیکھے اور اسی طرح جماعت اسلام کو اُن سے بہت مدد پہنچی۔ حضرت ابوبکرؓ کے عہد میں جب خالد ابن ولید نے عین تمر پر قبضہ کیا تو وہاں سے غلام لا کر خلیفۂ اول کے سامنے پیش کئے، جن کو آپ نے تقسیم کر دیا۔ جب یہ لوگ مسلمان ہو گئے تو ان کے مالکوں نے آزاد کر دیا۔ اُن کی اولاد میں بڑے بڑے لوگ پیدا ہوئے موسیٰ ابن نصیر فاتح مغرب و ہسپانیہ انہیں میں کا ایک شخص تھا اور محمدؐ ابن سیرین مشہور معبر خواب بھی اسی نسل کے تھے، علاوہ ان کے حمران، حضرت عثمانؓ کا مولیٰ محمدؐ ابن اسحاق سیرۃ نگار نبوی کا سلسلہ بھی انہیں موالی سے ملتا ہے۔

خلفاء اور عمال سب موالی پر بڑا اعتماد رکھتے تھے اور اپنے اکثر کاموں کو انہیں کے سپرد کر دیتے تھے، خلفاء کے عہد میں خزانچی کی خدمت اکثر موالی کے سپرد تھی بلال ابن رباح ایک حبشی غلام تھے۔ جن کو حضرت ابوبکرؓ نے خرید کے آزاد کر دیا تھا۔ یہ حضرت ابوبکرؓ کے موالی میں سے تھے سب سے پہلے مسجد نبوی کی میں خدمت مؤذن آپ ہی کے سپرد کی گئی۔ عامر ابن فہیرہ ابن ابی عثمانؓ بھی موالی میں سے تھے۔ الغرض مسلمانوں میں غلامی کو آزاد کر کے موالی بنانے کا عام دستور تھا اور اس کو نہایت محمود فعل سمجھا جاتا تھا اور موالی بھی اس احسان کے عوض اپنے مالکوں کی بہت اطاعت کرتے تھے اور اپنی جانیں تک قربان کر دینے کے لئے آمادہ رہتے تھے۔

لے معارف ۵۵

جب ہارون الرشید کے دونوں بیٹوں ماموں اور آمین میں باہم جنگ ہوئی تو محمد ابن یزید المہلبی امین کا طرفدار تھا۔ اس کو بڑی فکر ہوئی کہ کیونکر اہواز کو طاہر ابن الحسین ماموں کے سپہ سالار سے محفوظ رکھا جائے۔ محمد ابن یزید موالی کی طرف مخاطب ہو کر بولا کہ "میں اپنے لوگوں پر اعتماد نہیں کرتا اور اس لئے مجھے اپنی شکست کا یقین ہے۔ تم میں سے جس کا جی چاہے میرا ساتھ چھوڑ دے، میں نہایت خوشی سے اجازت دیتا ہوں، میں تنہا لڑوں گا اور جان دے دوں گا۔" سب نے جواب دیا کہ "تم نے ہمیں آزاد کیا جب کہ ہم غلام تھے، تم نے ہمارا مرتبہ بلند کیا جبکہ ہم حقیر و ذلیل تھے، تم نے ہمیں دولتمند بنایا، جبکہ غریب و مفلس تھے۔ پھر کیا یہ ہم سے ممکن ہے کہ تمہیں اس حال میں چھوڑ دیں۔ ہم پر خدا کی لعنت ہو، اگر تمہارے بعد زندگی کو گوارا کریں۔" چنانچہ سب کے سب نہایت جوش کے ساتھ آخر دن تک لڑتے رہے۔[۱]

اس میں شک نہیں کہ عام اعراب ان کو فضیلت نسب میں اپنی برابر نہیں سمجھتے تھے اور نہ سمجھ سکتے تھے، لیکن دائرۂ اسلام کا وہ مخصوص حلقہ جو ضیاء نبوی سے بہت زیادہ منور ہو چکا تھا، نہ صرف ان موالی کو بلکہ دنیا کے ہر مسلمان کو اپنا بھائی سمجھتا تھا اور وہاں فضیلت کے نسب کا کوئی سوال نہ تھا۔

وہ لوگ جو مذہب اسلام پر یہ الزام عائد کرتے ہیں کہ اس نے غلامی کو رواج دیا، اگر تاریخ کا غائر مطالعہ کریں تو معلوم کر سکتے ہیں کہ قبل اسلام غلام بنانے کا عام دستور تمام عرب و جوار عرب میں کس قدر شدت کے ساتھ رائج تھا اور ان کے ساتھ کیسا برا سلوک کیا جاتا تھا، لیکن جب ظہور اسلام ہوا۔ تو رسول اللہؐ نے جہاں دیگر مسائل کی طرف توجہ فرمائی، وہیں ایک مسئلہ غلامی کا بھی تھا۔ چنانچہ آپ نے اعراب سے صاف صاف کہدیا کہ "اعراب میں سے کسی کا غلام بنایا جانا سخت

---

[۱] اغانی ج ۶ : ۱۰۲

نامحمود فعل ہے"۔ پھر اسی کے ساتھ آپ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی رسم خود قائم کی اور دوسروں کو بھی اس طرف متوجہ کیا۔ علاوہ اس کے موالی کے لئے جو عزت آپ نے پیدا کر دی' وہ بھی کسی سے مخفی نہیں۔

ہر شخص اعراب کی طینت وطبیعت سے واقف ہے وہ سمجھ سکتا ہے' کہ صدیوں قبل کی عادت کو چھوڑ دینا ان کے لئے کس قدر دشوار تھا لیکن رسول اللہؐ نے تدریجی اصلاح کے ساتھ غلامی کے مسئلہ میں ان کے اندر اس قدر اعتدال پیدا کر دیا کہ دوسری طرح ممکن ہی نہ تھا' اسلام نے جو درس حریت ومساوات کا دیا وہ محض زبانی دعویٰ نہ تھا' بلکہ اس پر ہمیشہ عمل کیا جاتا تھا اگر آپ نے موالی حقوق کو بلند کر کے حُر کے برابر ظاہر کیا تو آپ نے ان کو ادا بھی کیا اور دوسروں سے بھی ادا کرایا قبل اسلام غلام کی ہستی ایک جانور سے بھی بدتر تھی لیکن آپ نے حکم دیا کہ ان سے انتہائے محبت وشفقت کا برتاؤ کیا جائے اور ان کا ملبوس وطعام وہی ہونا چاہئے' جو مالک اپنے لئے پسند کرتا ہے۔ آپ نے غلام آزاد کو اشرف عبادات میں داخل کیا اور تعلیم وتربیت کی طرف خاص توجہ کی۔

میں نہیں سمجھ سکتا کہ اس سے زیادہ اصلاح اور کیا ہو سکتی تھی۔ رہا یہ امر کہ اس رسم کو قطعاً بند کیوں نہیں کر دیا گیا۔ سو اس کے متعلق اگر اعراب کے حالات اور وہاں کے قدیم رسوم پر غور کیا جائے تو آسانی سے سمجھ میں آ سکتا ہے کہ دفعتاً مدتوں کے رواج کو یک لخت مسدود کر دینا ناممکن تھا اور اگر رسول اللہؐ اس کی کوشش فرماتے تو شاید اتنے قلیل عرصہ میں اس قدر کامیابی نہ ہوتی' جتنی آپ دیکھتے ہیں۔

باب دوم

خلافت بنیؒ امیّہ ۴۱-۱۳۲ھ

خلفائے راشدین کے عہد میں مفہوم خلافت

اوراق ماسبق کے ملاحظہ سے معلوم ہوا ہوگا کہ خلفائے راشدین کا مقصود صرف یہ تھا کہ عربوں میں اتحاد و اتفاق پیدا ہو جائے، اور انصاف و دیانت، رحم و شجاعت کے صحیح جذبات ان میں نشو و نما پائیں۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ چند سال میں اسلام تمام مہذب ملک میں پھیل گیا، ان کا مدعائے سلطنت صرف اشاعت مذہب تھا اور ان کا تنہا ذریعۂ حکمرانی احکام قرآن کی تعمیل۔ ان کے دماغ میں نہ ملک گیری کا خیال تھا، نہ کسی سلطنت و حکومت کے قائم کرنے کا ولولہ۔ بلکہ صرف اشاعت تہذیب و شائستگی ان کا حقیقی مقصود تھا اور اسی خیال کو لے کر وہ ساری دنیا پر چھا گئے۔

رسول اللہ صلعم کے وصال کے بعد خلفائے راشدین کے عہد تک جانشینی

یا سیادت کا مسئلہ صرف انتخاب سے طے ہوا کرتا تھا یعنی جس کو جماعت کا اکثر حصہ منتخب کر دیتا تھا وہی خلیفہ قرار پاتا تھا۔ اس لئے سب سے پہلا اختلاف جو عہد بنی امیہ میں دیکھا جاتا ہے، یہی ہے کیونکہ ان کے عہد میں خلیفہ یا حکمران منتخب نہ ہوتا تھا۔ بلکہ مرنے والا حاکم خود نامزد کر جاتا تھا۔

بنو اُمیہ کی خواہش خلافت

اول اول جب بنو امیہ نے خلافت اپنے لئے مخصوص کرنی چاہی، تو وہ زمانہ حضرت علیؓ کی خلافت کا تھا، چونکہ آپ رسول اللہؐ کے خویش اور چچا کے بیٹے تھے، اور علاوہ اس کے اپنے علم و فضل، دیانت و شجاعت کے لحاظ سے بھی بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے، اس لئے مسلمانوں کی بڑی تعداد آپ ہی کی طرفدار تھی، لیکن بنی امیہ اس کو اچھی نگاہ سے نہ دیکھتے تھے اور چاہتے تھے کہ وہ خود حکمران ہو جائیں، اور حقیقت سے انکار ہوگا اگر اس کو تسلیم نہ کیا جائے کہ یہ حوصلہ بنی امیہ میں اول اول حضرت عثمانؓ کے عہد میں پیدا ہوا اور انہیں کے زمانہ میں اس کی کافی پرورش ہو چکی تھی، لیکن تمام اسباب معلوم کرنے کے لئے ضرورت اس کی ہے کہ قبل اسلام جو حالت بنو امیہ کی تھی، اس کا بھی مختصراً ذکر بیان کر دیا جائے۔

قبل و بعد اسلام بنو امیہ کی حالت

قبیلہ قریش میں بنو عبد مناف بڑے سربرآوردہ لوگ تھے! ان
کی تعداد بھی کثیر تھی اور ان کا اثر بھی بہت قوی تھا۔ بنو عبد مناف کی دو
شاخیں تھیں:۔
بنو امیہ، بنو ہاشم (جن میں بنو امیہ کی جماعت کثیر تھی) چونکہ رسول اللہؐ
بنو ہاشم میں سے تھے۔ اس لئے بنو امیہ کو یہ امر ناگوار ہوا اور اپنی فطرت کے
لحاظ سے مخالفت پر آمادہ ہو گئے اور رسول اللہؐ کو ہجرت مدینہ کے لئے مجبور
کر دیا، یہاں قحطانیوں نے آپ کی مدد کی، چونکہ آنحضرتؐ کے چچا،
ابوطالب کا انتقال ہو چکا تھا اس لئے ان کی اولاد بھی ہجرت میں آپ کی
شریک ہو گئی، اور اس کے بعد چونکہ حضرت حمزہؓ حضرت عباسؓ اولاد
عبد المطلب بھی آنحضرتؐ کے پاس چلے آئے تھے اس لئے بنو امیہ کے
لئے مکہ میں میدان صاف ہو گیا، اور انہوں نے اپنی سیادت کو قبیلہ قریش میں
قائم کر لیا، اس کے بعد جب غزوۂ بدر میں خاندان قریش کے بڑے بڑے لوگ
شہید ہو گئے تو بنو امیہ کی قوت اور زیادہ بڑھ گئی اور ابوسفیان کا اثر عام ہو گیا
چنانچہ غزوہ اُحد اور خندق میں کفار ابوسفیان ہی کی سرکردگی میں لڑے
جب مکہ فتح ہو گیا، تو رسول اللہ نے اپنے فطرتی رحم و کرم سے کام لے کر سب کے قصور
معاف کر دیئے اور اسی وقت معاویہؓ بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ اسلام لائے
رسول اللہ کے وصال کے بعد جب حضرت ابو بکرؓ خلیفہ ہوئے تو قریش اور
خصوصیت کے ساتھ بنو امیہ نے آپ سے شکایت کی کہ ہم انصار و مہاجرین کے برابر

کیوں نہیں سمجھے جاتے، آپ نے جواب دیا کہ:۔

"لقد جئتم الاسلام متاخرین فادرکوا اخوانکم فی الجهاد"

یعنی تم ابعد کو مسلمان ہوئے ہو اس لئے حصول عزت اور ان کی برابری کے لئے ضرورت ہے کہ اتنا ہی جہاد کرو جتنا انہوں نے کیا ہے۔

جب حضرت عمرؓ کا زمانہ آیا تو آپ نے بنو امیہ کے اندرونی جذبات معلوم کر کے یہی مناسب سمجھا کہ یہ لوگ مدینہ سے دور رکھے جائیں تو بہتر ہے، چنانچہ آپ نے انہیں سلطنت بازنطین کے خلاف جنگ کرنے کے لئے بھیج دیا اور اس کے بعد یزید ابن ابی سفیانؓ کو شام کا گورنر مقرر کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ قریش کی بہت بڑی جماعت شام کی طرف منتقل ہو گئی اور وہاں وہ یزید کی وفات تک رہی۔ یزید کے بعد حضرت عمرؓ نے اس کے بھائی امیر معاویہؓ کو عامل شام مقرر کیا۔ جب ۲۳ھ میں حضرت عثمانؓ خلیفہ ہوئے تو آپ نے امیر معاویہؓ کو مستقلاً شام کا گورنر بنا دیا اور اس طرح بنو امیہ کا دور سیادت شروع ہو گیا۔

بنو امیہ کے دور سیاست کی ابتداء

جب حضرت عمرؓ شہید ہوئے اور خلافت کا مسئلہ پیش ہوا تو صحابہ نے حضرت عثمانؓ کو منتخب کیا۔ چونکہ آپ خود بنو امیہ میں سے تھے اس لئے بنو امیہ کی بہت سی خوابیدہ تمنائیں بیدار ہو گئیں۔ یقیناً حضرت عثمانؓ کے سامنے کوئی سوال بنو ہاشم یا بنو امیہ کی تفریق و امتیاز کا نہ تھا اور نہ آپ نے قصداً کوئی ایسی بات کی جس سے بنو امیہ کے حوصلے بلند اور بنو ہاشم کے ارادے پست ہو جاتے لیکن یہ ایک واقعہ ہے کہ آپ اپنی طرح ہر مسلمان کو صاف دل اور ایماندار

سمجھتے تھے، آپ کے ذہن میں کبھی یہ بات آئی ہی نہیں کہ کوئی مسلمان جادۂ مستقیم سے انحراف کرسکتا ہے، اور کسی طمع وغرض کی بنا پر اسلام کو نقصان پہنچا سکتا ہے چونکہ آپ خود بنوامیہ کے ایک فرد تھے، اس لئے آپ سمجھتے تھے کہ میرا اثر ان پر زیادہ ہوگا اور اگر انتظام ان کے سپرد کیا گیا تو بہتر طریق سے انجام دے سکیں گے چنانچہ آپ نے بنوامیہ کو زیادہ درخور حاصل کرنے کا موقعہ دیا جس سے لوگوں میں بڑہی پھیل گئی۔ یقیناً یہ برہی ایک حدتک جائز ودرست تھی۔ کیونکہ سرداران بنوامیہ کا طرز حکومت ظلم وجور کی حد تک پہنچ گیا تھا اور حضرت عثمانؓ ان کو معزول نہ کرتے تھے اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت عثمانؓ شہید کئے گئے، اور خلافت حضرت علیؓ کو ملی۔

امیر معاویہؓ کی کوششیں خلافت کیلئے

جس وقت حضرت عثمانؓ شہید ہوئے ہیں، امیر معاویہؓ شام کے گورنر تھے اور وہیں مقیم تھے۔ اس طرف مدینہ میں انصار کی جماعت نے حضرت علیؓ کو خلیفہ منتخب کرلیا اور اس طرح دو فریق قائم ہوگئے۔ چونکہ انصار اور صحابہ کی جماعت غالب نے حضرت علیؓ کو منتخب کیا تھا۔ اس لئے قریش کچھ نہ کرسکتے تھے، لیکن دل ہی دل میں اس انتخاب کی طرف سے بغض وعناد کے جذبات پرورش کررہے تھے۔

امیر معاویہؓ نے جب دیکھا کہ حضرت علیؓ بالاتفاق خلیفہ منتخب ہوگئے تو وہ خاموش رہے لیکن اندرونی کوششیں اس کی ضرور کرتے رہے کہ شام

میں ان کا اثر بڑھتا جائے لیکن چونکہ امیر معاویہؓ کے عہد میں شام واطراف شام کے لوگ دولت وجاہ کی لذت سے واقف ہو چکے تھے اور حضرت علیؓ کے پاس سوائے خشک مذہبی تعلیمات ومواعید کے اور کچھ نہ تھا، اس لئے آہستہ آہستہ امیر معاویہؓ کی ایک جماعت قائم ہوگئی جو حضرت علیؓ کی خلافت کو اپنے لئے مفید نہ سمجھتی تھی۔ جب امیر معاویہؓ کو اس حد تک کامیابی ہوگئی تو انہوں نے کوشش کی کہ صحابہ میں سے خاص خاص لوگوں کو اپنا طرفدار بنائیں، چنانچہ وہ اس میں کامیاب ہوئے اور عمرو بن العاص، زیاد اور مغیرہ ابن ثعبان معاویہ کے طرفدار ہوگئے، اور حقیقتاً یہ طرفداری امیر معاویہ کے لئے بہت مفید ثابت ہوئی۔ جب جنگ صفین میں معاویہ کی فوج کی حالت بہت خراب ہوگئی تو عمرو بن العاص نے فوج میں کلام مجید کو بلند کرایا، اس سے مقصود یہ تھا کہ جنگ موقوف کی جائے اور قرآن کو حکم بنایا جائے۔ اس طرح معاویہ کی فوج کو شکست بھی نہ ہوئی اور اصل مقصود بھی حاصل کرلیا اس کے صلہ میں بعد عمرو بن العاص نے مصر کی گورنری حاصل کی۔ امیر معاویہ نے زیاد کو بھی اسی لئے اپنا بھائی بنالیا تھا کہ یہ بہت ذہین وہوشیار تھے اور ان سے حصول مقصد میں بہت مدد ملی، اسی طرح مغیرہ بھی نہایت زیرک اور ہوشیار آدمی تھے اور انہیں کے مشورہ سے امیر معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو خلیفہ نامزد کیا تھا جس کے صلہ میں ان کو فارس کی گورنری دی گئی تھی۔

امیر معاویہؓ کا طرز عمل اور خلافت کی ابتداء

امیر معاویہؓ کا طرز عمل اپنے ماتحتوں کے ساتھ یہ تھا کہ وہ ان کی معمولی

اختیار کرلی کہ خانہ جنگیاں، آپس کی خونریزیاں، سب وشتم باہمد گراہانت وتذلیل، جاہلیت کی تمام باتیں عود کر آئیں اور اسلام کا جہاز نہایت سرعت کے ساتھ اپنا سفر طے کر رہا تھا مخالف ہواؤں کی وجہ سے دفعتاً رک گیا۔ اس کی منزل کا رخ ایکبارگی بدل گیا، اور خلافت کی بنیاد بجائے مذہب کے سلطنت وملک گیری کی خواہشوں پر قائم ہو گئی۔

قبل اسلام اعراب کی وحشت

عہد اسلام سے قبل عربوں کی قوم ایک وحشی وآوارہ قوم تھی، اور کوئی مرکز ایسا نہ تھا جہاں وہ منتشر قومیں جمع ہوتیں، ان کا کوئی گھر نہ تھا کہ وہاں جم کر بیٹھتے، ان کا کوئی شہر نہ تھا کہ اس کی حفاظت وہ اپنا فرض سمجھتے، رات دن صحراؤں میں پھرنا، لوٹ مار سے زندگی بسر کرنا ان کا شعار تھا اور مدنیت سے بیزاری ان کی تنہا خصوصیت، لیکن جب ظہور اسلام ہوا اور مسلمانوں نے ممالک فتح کئے بہت سے شہر قائم کئے تو ان میں آہستہ آہستہ مدنیت پھیلنے لگی۔

خلفائے راشدین کے عہد میں اعراب کی زندگی

عربوں کا قاعدہ تھا کہ جب وہ کسی ملک یا شہر پر حملہ آور ہوتے تھے، تو وہ عورتوں، بچوں، جانوروں کو بھی اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔ لیکن خلفائے راشدین

اور خصوصیت کے ساتھ خلیفہ ثانی کے زمانہ میں ان کو سخت ممانعت تھی کہ وہ مفتوحہ ممالک کے لوگوں سے ربط وضبط بڑھا کر اپنی خصوصیات اور محاربانہ اطوار کی سادگی کو محو کر دیں، اس لئے [redacted] ایک ملک فتح کرنے کے بعد خیموں میں رہتے تھے اور جب تسلط پوری طرح قائم ہو جاتا تھا تو پھر واپس آتے تھے۔ ان کو کبھی اس کا موقعہ نہ دیا جاتا تھا کہ وہ شہر والوں سے مل کر ان کی تہذیب، ان کی پُرعیش زندگی سے متاثر ہوں، بلکہ ان سے الگ رہ کر صرف ایک سپاہی کی سی پُرمحنت زندگی بسر کریں، چنانچہ خلفاء راشدین کے عہد میں تمام جماعت اسلام فوج تھی، جو ملک کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی تھی۔ شام کی فوجیں (چار حصوں میں) **دمشق** کے جوار میں منتشر تھیں **عراق** کی فوجیں دو حصوں میں ساحل **فرات** پر (یہی دو حصہ بعد کو بصرہ و کوفہ بن گئے) اور مصر کی فوج ساحل نیل پر (جو بعد کو بلدہ فسطاط کی بنیاد کا باعث ہوئی)

الغرض مسلمان خیموں میں زندگی بسر کرتے تھے اور شہروں کے لوگوں سے بالکل نہ ملتے تھے، اور اس طرح خلفاء راشدین کے زمانہ میں ان کا مرکز صرف مدینہ رہا اور کسی دوسری طرف ان کی قوت منتقل نہیں ہوئی۔

دورِ بنی اُمیّہ اور خصائلِ اعراب کا تغیر

جب خلفائے بنی امیہ کا زمانہ شروع ہوا تو انہوں نے **حجاز** سے **دمشق** کو ترجیح [redacted] ے کر اسی کو دارالامارۃ میں بھی تبدیل کر دیا تو اسی کے ساتھ حضرت **عمرؓ** کی تمام ہدایات واصول سے انحراف پیدا ہونے لگا۔ لوگوں نے

مجھے کس حال میں پایا" انہوں نے جواب دیا کہ "میں نے علیؓ کو اس حال میں چھوڑا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک محبوب ہے، اور تمہیں اس حال میں پایا جو اللہ اور اس کے رسولؐ کے نزدیک مبغوض ہے۔" امیر معاویہ یہ سنکر خاموش ہو رہے اور حکم دیا کہ ان کو مہمان رکھا جائے اور بہت خاطر و مدارات کی جائے علاوہ اس کے اُن کو کثیر رقم بھی دی گئی۔ دوسرے دن پھر امیر معاویہ نے وہی سوال کیا تو عقیلؓ نے جواب دیا کہ "میں نے علیؓ کو اس حال میں چھوڑا کہ وہ اپنے لئے بہ نسبت تمہارے بہتر ہے لیکن میرے لئے تم اُن سے زیادہ بہتر ہو۔"[1] علاوہ عقیلؓ کے اور بہت سے طرفداران علیؓ، امیر معاویہؓ سے مل گئے اور ان سب کی سخت کلامی کا جواب انہوں نے صبر و تحمل، ضبط و مصلحت اندیشی کو مدنظر رکھکر دیا اور انعام و اکرام سے ان کے دلوں کو اپنی طرف مائل کر لیا۔

امیر معاویہؓ کی فیاضی اور ضبط و تحمل

بعض لوگ ایسے بھی آئے جن کا ارادہ امیر معاویہؓ کو دھوکا دینے کا تھا لیکن انہوں نے یہ جاننے کے بعد بھی ان کے ساتھ بہت فیاضانہ سلوک کیا۔ ایک بار ابن زبیرؓ (قبل دعویدار خلافت ہونے کے) کا مکان عبد الرحمٰن ابن ام الحکم نے کوفہ میں جلا دیا۔ ابن زبیرؓ معاویہ کے پاس یہ شکایت لے گئے امیر معاویہؓ نے پوچھا مکان کی کیا قیمت تھی، ابن زبیرؓ نے کہا ایک لاکھ درہم۔ جب اس پر شاہد طلب کیا گیا تو ابن زبیر نے اپنے ایک دوست کو پیش کر دیا، امیر معاویہؓ نے حکم دیا کہ ایک

[1] مسعودی ج ۲ ص ۴۰

لاکھ درہم ان کو دے دیئے جائیں۔ جب وہ چلے گئے تو امیر معاویہ نے اپنے مصاحبین سے کہا "میں نے وہ گھر دیکھا تھا صرف چٹائیوں کا تھا لیکن یہ میرا اصول ہے کہ جب کوئی شخص میرے سامنے جھوٹ بولتا ہے تو میں اس پر یہ ظاہر نہیں ہونے دیتا کہ اس کے جھوٹ سے مجھے آگاہی ہے"[1] الغرض یہ طرزِ عمل تھا امیر معاویہ کا جس نے ان کے بہت طرفدار پیدا کر دیئے۔ برخلاف اس کے حضرت علیؓ کی حالت یہ تھی کہ اپنے عمال کے کاموں کی سخت نگرانی کرتے تھے، اور معمولی معمولی فروگذاشت پر کافی تنبیہہ کرتے تھے، اور اس میں وہ کسی کی بھی رعایت نہ کرتے تھے۔ امیر معاویہؓ سرداران قبائل اور بڑے بڑے با اثر لوگوں کی غلطیوں کو اکثر نظر انداز کر جاتے تھے اور اپنے ماتحت عمال کو بڑے بڑے انعام اور بڑی جاگیریں دے رہے تھے، اور سخت سے سخت گفتگو کا وہ کوئی اثر نہ لیتے تھے، احنف ابن قیس التمیمی تابعین کے سرداروں میں سے تھے اور حضرت علیؓ کے طرفداروں میں سے۔ جنگ صفین میں انہوں نے امیر معاویہؓ سے جنگ کی تھی۔ جب امیر معاویہؓ خلیفہ ہو گئے، تو احنف ایک بار ان کے پاس گئے۔ امیر معاویہؓ نے کہا کہ "جب میں واقعہ صفین کو یاد کرتا ہوں تو میرے دل کو سخت صدمہ پہنچتا ہے اور شاید آخر وقت تک یہ تکلیف زائل نہ ہو" احنف نے جواب دیا کہ "اے معاویہ! ہمارے وہ دل جو تجھ سے نفرت کرتے تھے اب بھی ہمارے سینوں میں ہیں اور وہ تلواریں جو تیرے مقابلہ میں کھینچی گئی تھیں ہنوز نیاموں میں ہیں، اگر تو ایک قدم جنگ کی طرف بڑھیگا تو ہم دس قدم بڑھیں گے" معاویہ کی بہن بھی اس گفتگو کو سن رہی تھی۔ اس نے پوچھا یہ کون شخص ہے جو دھمکا رہا تھا۔ امیر معاویہؓ نے کہا۔ یہ وہ شخص ہے جس کا غصہ ایک لاکھ تمیمیوں کو مشتعل کر سکتا ہے بغیر اس کے کہ وہ اس کے غصہ کا سبب معلوم کریں"[2]

?

---

[1] اغانی ۱۳ :- ۸۹ [2] خلکان ۱ :- ۲۳

امیر معاویہؓ کا مخالفین کے ساتھ دوسرا سلوک

ابن اثیر کی روایت سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ امیر معاویہؓ جب کسی طرح ایک شخص کو اپنے قابو میں نہ لاسکتے تھے تو اس کو زہر بھی دلوادیتے تھے۔ چنانچہ عبدالرحمن بن خالد بن الولید کی نسبت لکھتا ہے کہ وہ دمشق میں اپنے والد اور نیز اپنی خدمات کی وجہ سے بہت بااثر تھے، اور امیر معاویہؓ نے انہیں ایک طبیب کے ذریعہ سے زہر دلوا دیا[۱] اسی طرح کا ایک واقعہ اور ہے الاشتر النخعی (مالک ابن الحارث) طرفداران علیؓ میں سے تھے اور جنگ صفین میں امیر معاویہ سے لڑے تھے۔ جب مصر کی انتظامی حالت خراب ہوئی تو حضرت علیؓ نے الاشتر کو وہاں کا گورنر مقرر کر کے بھیجا۔ امیر معاویہ نے یہ خیال کر کے کہ الاشتر وہاں پہنچ کر ان کے خلاف کارروائیاں کریں گے۔ ایک آدمی قلزم کے عامل کے پاس بھیجا، اور محاصل طلب کئے لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہلا بھیجا کہ اگر وہ الاشتر کو مار ڈالے گا تو نہ صرف محاصل معاف کردیئے جائیں گے بلکہ مصر کی گورنری بھی دی جائے گی۔ چونکہ قلزم مصر کے راستے میں پڑتا تھا۔ اس لئے الاشتر کو ادھر سے گذرنا ضروری تھا، عامل قلزم نے ان کی بہت خاطر کی اور رات کو کھانے میں زہر دیدیا جس سے وہ فوراً مر گئے۔ جب امیر معاویہؓ کو یہ خبر معلوم ہوئی تو آپ منبر پر چڑھے اور کہا کہ علیؓ کے دو داہنے ہاتھ تھے۔ ایک تو جنگ صفین میں قطع ہوگیا تھا (عمار ابن یاسر) اور دوسرا (اشتر) اب قطع ہوگیا ہے۔[۲]

---

[۱] ابن اثیر ۳۔ ۳۲۹

الغرض امیر معاویہ اپنے مقصود کے حاصل کرنے میں کوئی کوشش اٹھا نہ رکھتے تھے، اور جائز و ناجائز تمام تدابیر صرف کر دیتے تھے۔ حضرت علیؑ اس سے بالکل ناواقف تھے، اور وہ اپنی صداقت و دیانت سے منحرف نہ ہو سکتے تھے اگر وہ ذرا بھی مصلحت اندیشی سے کام لے کر مذہبی سختیوں کو چھوڑ دیتے تو ہرگز اس قدر تکالیف میں مبتلا نہ ہوتے۔ اسی واسطے قریش کہا کرتے تھے کہ "حضرت علیؑ ایک بہادر آدمی ہیں، لیکن جنگ کے لئے موزوں نہیں ہیں"[۱]

امیر معاویہ کے بعد خلافت میں اختلاف

جب امیر معاویہؓ کا وقت آخر آپہنچا اور اپنے بیٹے یزید کو نامزد کرنا چاہا تو اس وقت بھی شورش پیدا ہوئی اور پھر بھی تدابیر کارگر ہوئیں۔ ہر چند امیر معاویہؓ نے اپنے انعام و اکرام اور اپنے اخلاق کی نرمی سے دعویداران خلافت کو بہت پہلے ضعیف کر دیا تھا، لیکن جب امیر معاویہ نے اپنے بیٹے کو نامزد کر دیا تو پھر شورش پیدا ہوئی اور ۶۰ھ میں چار شخص دعویدار خلافت ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے لیکن بنو امیہ کے مقابلہ میں کسی کو کامیابی نہ ہوئی۔ ×

بنو امیہ کے انعامات

مختصراً بیان کیا جا چکا ہے کہ بنو امیہ کو انعام و اکرام کی وجہ سے

---

[۱] اغانی ۱۵، ۱۵

عروج حاصل ہوا۔ اب ہم ذرا تفصیل کے ساتھ اس کا حال بیان کرنا چاہتے ہیں، جو انعام و اکرام بنو امیہ نے مقرر کیا تھا اور جس نے ان کے طرفداروں کی ایک بڑی جماعت پیدا کر دی تھی، وہ ان لوگوں کی تنخواہیں تھیں، جنہوں نے ابتدائے اسلام میں بالکل مجاہدانہ زندگی بسر کی تھی۔ یہ تنخواہ ہر شخص کی حالت کے لحاظ سے مقرر کی تھی یعنی جس شخص نے زیادہ خدمت انجام دی تھی، یا جو پہلے اسلام لایا تھا یا جس کا تعلق رشتہ داری رسول اللہ سے زیادہ قریب تھا اس کی تنخواہ زیادہ ہوتی تھی، اور اسی مناسبت سے ان کی تنخواہ کم و بیش ہوتی تھی، یہاں تک کہ عورتوں اور بچوں کی بھی تنخواہیں مقرر تھیں، جو مفتوحہ ممالک کے مال غنیمت یا محاصل سے ملتی تھیں۔

علاوہ اس کے مد خیرات و زکوٰۃ سے ان غربا کی بھی امداد کی جاتی تھی، جو جنگ میں حصہ نہ لے سکتے تھے، اور یہ دونوں جماعتیں الگ الگ تھیں، اور ان کا حساب و کتاب بھی جدا جدا رہتا تھا۔

ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں جس شخص کا اقتدار خزانہ پر ہوگا، وہی ملک کے لوگوں پر اپنا اقتدار قائم کر سکتا ہے۔ چونکہ امیر معاویہؓ نہایت ہوشیار اور دانشمند شخص تھے اس لئے ظاہر ہے کہ انہوں نے خزانہ سے کیا کام لیا ہوگا اور تقسیم تنخواہ وغیرہ کے کیا اصول قائم کئے ہوں گے، وہ اس شخص کے لئے جس سے ان کو کچھ بھی توقع کسی نفع یا طرفداری کی ہوتی تھی، خزانہ کا دروازہ نہایت فراخ حوصلگی کے ساتھ کھول دیتے تھے، اور چونکہ انہیں خاندان حضرت علیؓ کی طرف سے بہت خوف تھا اس لئے اس خاندان کے لوگوں کی تنخواہیں مقرر کر دی تھیں۔ حضرت عمرؓ نے حضرت حسنؓ حسینؓ کے لئے ۵۰۰۰ درہم سالانہ مقرر کئے تھے لیکن امیر معاویہؓ نے اس کو بڑھا کر دس لاکھ تک پہنچا دیا۔ اسی طرح عبداللہ ابن عباسؓ اور جعفرؓ ابن ابی طالب کی بڑی بڑی تنخواہیں مقرر کیں۔

؟ کیا ۵۰۰۰ تنخواہ ....

امیر معاویہؓ چاہتے تھے کہ مدینہ والے عیش و عشرت کی زندگی سے واقف ہو کر تمام دیگر اغراض کو بھول جائیں اور جب وہ سنتے تھے کہ مدینہ والے اپنی دولت بے دریغ صرف کر رہے ہیں، تو وہ ان کی اعانت کیا کرتے تھے۔ چنانچہ عبداللہ ابن جعفرؓ بڑے فیاض تھے اور جو تنخواہ ان کو ملتی تھی وہ مدینہ والوں میں تقسیم کر دیتے تھے، امیر معاویہؓ ان کی بہت مدد کرتے تھے اور اس طرح بالواسطہ مدینہ والوں کی خشونت کو کم کرتے جا رہے تھے، پھر یہ طرز عمل صرف امیر معاویہ ہی کا نہ تھا بلکہ یزید نے بھی اپنے باپ کی اس مسئلہ میں تقلید کی، چنانچہ صاحب عقد الفرید کا بیان ہے کہ ایک بار یہی عبداللہ ابن جعفر، یزید کے پاس بھی گئے، یزید نے پوچھا کہ "آپ کی کس قدر تنخواہ تھی؟" آپ نے جواب دیا "دس لاکھ درہم" یزید نے کہا "میں اس کو دوچند کئے دیتا ہوں" عبداللہ ابن جعفر نے کہا کہ "اس سے قبل میں نے کسی سے نہیں بتایا تھا کہ میری تنخواہ اس قدر کم ہے" یزید نے یہ سنکر تنخواہ چار چند کر دی بعض لوگوں نے یزید سے کہا بھی کہ ایک شخص کو چالیس لاکھ درہم دیدینا مناسب نہ تھا، یزید نے جواب دیا "یہ رقم صرف ایک شخص کو نہیں دی گئی ہے بلکہ سارے مدینہ کو دی گئی ہے" اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہ لوگوں کو اپنا طرفدار بنانے میں کس قدر فیاضی سے کام لیتے تھے، اور انہوں نے اپنے بعد کیا اُصول سلطنت چھوڑے۔ چونکہ یمن والوں سے بھی امیر معاویہؓ خائف تھے اس لئے انہیں بھی بہت انعام دیتے تھے۔ برخلاف اس کے چونکہ قیس سے کوئی اندیشہ نہ تھا، اس لئے باوجود قریبی رشتہ دار ہونے کے اُنہیں کچھ نہ ملتا تھا۔

ایک بار مسکین الدارمی امیر معاویہؓ کے پاس آیا اور کچھ روپیہ طلب کیا امیر معاویہ نے انکار کر دیا، اس پر مسکین نے چند اشعار لکھے، جس میں خلیفہ سے اپنی رشتہ داری ظاہر کر کے اپنی بے پروائی کا اظہار کیا اور اس کی آئندہ مضرتوں

کی طرف توجہ دلائی۔ چونکہ یمن میں قیس اور عدنانی لوگ دیگر قبائل کے مقابلہ میں بہت کمزور تھے اور امیر معاویہؓ کو اندیشہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں یمن سے کوئی فتنہ ایسا نہ اٹھے جو مضر ثابت ہو اس لئے انہوں نے چاہا کہ قبیلہ مضر کو بھی بڑھا کر دوسروں کے ہم پلہ کر دیں۔ چنانچہ انہوں نے قبیلہ قیس کے چار ہزار آدمیوں کا وظیفہ مقرر کر دیا اور اس کے ساتھ مسکین کا بھی وظیفہ مقرر کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ یمنی اندیشہ فرو ہو گیا اور یہ خطرہ آسانی سے دفع ہو گیا۔

جن لوگوں نے جنگ صفین میں امیر معاویہؓ کی اعانت کی تھی اُن کی بھی معقول تنخواہیں مقرر کی گئی تھیں امیر معاویہؓ کے بعد جو خلفاء ہوئے انہوں نے بھی اسی طرز عمل کو اختیار کیا اور شعراء کو بھی بہت کچھ انعام دیا تاکہ ان کی زبانیں بند کر دی جائیں یا موافق کہنے پر مجبور ہو جائیں، جو لوگ خاص مذہبی خیال کے تھے وہ امیر معاویہؓ کی ان فضول خرچیوں کو بُرا سمجھتے تھے۔ چنانچہ جنگ صفین میں طرفداران علیؓ نے امیر معاویہؓ پر ایک الزام یہ بھی قائم کیا تھا کہ وہ بہت فضول صرف کرتے ہیں

بنی اُمیہ نے اپنی داد و دہش کا مرکز صرف مدینہ کو اس لئے بنا لیا تھا کہ وہیں طرفداران علیؓ تھے اور وہیں سے مخالفت ہونے کا اندیشہ تھا جب مدینہ کے گورنر کو جو بنی امیہ کی طرف سے مقرر تھا، مختلف ممالک سے زکوٰۃ کا روپیہ وصول ہوتا تھا تو وہ قریش کے لوگوں کو بغیر کسی تحریر کے قرض دیدیتا تھا اور اس طرح اس نے قریش کے لوگوں کو اپنے قابو میں کر لیا تھا، اگر کسی قریش کی طرف سے کوئی خلاف حرکت سرزد ہوتی تو قرض کا مطالبہ شروع ہو جاتا اور اس طرح وہ پھر دبا دیا جاتا، یہ طرز عمل ہارون الرشید کے عہد تک جاری رہا۔ چنانچہ ایک بار ہارون الرشید کے سامنے عبداللہ ابن مصعب نے بہت سی دستاویزیں پیش کیں کہ ان کی رقم اب تک ادا نہیں ہوئی تو ہارون نے حکم دیا کہ سب پھاڑ ڈالی جائیں [1]

---

[1] اغانی ۱۳۔ ۱۰۵

اگر کوئی شخص نافرمانی پر آمادہ ہوتا تھا تو اس کی تنخواہ بند کر دی جاتی تھی، چنانچہ جب زید ابن علی نے یزید کے خلاف کارروائی شروع کی تو اہل حرمین کے مصارف بند کر دیئے گئے[۱] اسی طرح ولید نے آل حزم کی تنخواہیں بند کر دیں اور ان کی جائداد ضبط کر لی۔ کیونکہ قاتلان حضرت عثمانؓ ان سے ملتے تھے یہ تنخواہیں المنصور کے زمانہ تک بند رہیں[۲] انصار کی تنخواہیں بارہا صرف اس لئے بند کر دی گئیں کہ وہ اہل بیت رسولؐ کے طرفدار تھے[۳] اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آخرکار بنی امیہ کی طرفداری پر لوگ مجبور ہو گئے، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ یہ طرفداری ناجائز ہے۔

جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کو نامزد کیا تو انہوں نے ایک سرخ خیمہ میں اس کو اپنے پاس بٹھایا اور تجربہ کرنا چاہا کہ دیکھیں مسلمانوں کا کیا خیال ہے، اور وہ اظہار اطاعت کے لئے آتے ہیں یا نہیں۔ ایک مسلمان آیا اور اس نے باپ بیٹے دونوں کو سلام کر کے کہا کہ "اے امیرالمومنین! اگر آپ اپنے بیٹے یزید کو اپنے بعد جانشین مقرر نہ کرتے تو اسلام تباہ ہو جاتا" احنف بن قیس التمیمی بھی موجود تھے، معاویہ نے پوچھا "تم کیوں خاموش ہو؟" احنف نے جواب دیا کہ "جھوٹ بولوں تو خدا سے ڈر لگتا ہے اور سچ بولنے میں تم سے ڈرتا ہوں" معاویہ نے یہ سنکر کہا "خدا تمہیں اس اطاعت کا اجر دے" اور حکم دیا کہ احنف کو انعام دیا جائے۔

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ حضرت علیؓ یہ طریق عمل اختیار نہ کر سکتے تھے کیونکہ وہ اس کو خلاف شریعت سمجھتے تھے اور مذہبی معاملات میں کسی کی رعایت نہ کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار کا واقعہ ہے کہ مصقلہ بن ہبیرہ الشیبانی نے جو حضرت

---

[۱] اغانی ۶-۱۱۱ [۲] عقد الفرید ۳-۳۷۱ [۳] اغانی ۱۰-۶۲

علیؓ کی طرف سے اردشیر کا گورنر تھا۔ ۵۰۰ قیدیوں کو ۵ لاکھ درہم میں خرید کر آزاد کر دیا۔ جب حضرت علیؓ کو معلوم ہوا تو آپ نے اس سے اس رقم کا مطالبہ کیا۔ مصقلہ نے نصف رقم ادا کر دی، اور جب باقی نصف کا سختی کے ساتھ تقاضا کیا گیا تو اس نے کہا کہ "اگر معاویہؓ ہوتے تو وہ کبھی مطالبہ نہ کرتے اور اگر حضرت عثمانؓ ہوتے تو ساری رقم خود ادا کر دیتے"۔ لیکن چونکہ حضرت علیؓ کی طرف سے اُسے کسی رعایت کی توقع نہ تھی اس لئے وہ اسی رات بھاگ کر معاویہ کے پاس چلا گیا۔[۱] پھر جس طرح حضرت علیؓ فضول مصارف کو گوارا نہیں کر سکتے تھے، اسی طرح ابن زبیر بھی جو امیر معاویہ کے دوسرے مخالف تھے۔ غیر مشروع صرف کو جائز نہ رکھتے تھے۔ چنانچہ ابن زبیر کے بھائی مصعب جب مختار ابن ابی عبید کو ہلاک کر کے صوبہ عراق کو پھر ابن زبیر کی ماتحتی میں لے آئے تو وہ مکہ آئے اور ان کے ساتھ عراق کے تمام سربر آوردہ لوگ بھی تھے۔ انہوں نے ابن زبیر سے کہا کہ "آپ انہیں بیت المال سے کچھ انعام تقسیم کیجئے"، ابن زبیر نے جواب دیا "میں بیت المال سے جو خدا کی امانت ہے کیونکر دے سکتا ہوں، واللہ کبھی ایسا نہ کروں گا"۔ جب ان لوگوں نے یہ سنا تو سخت برہم ہوئے اور جا کر عبد الملک ابن مروان سے مل گئے۔[۲]

بہرحال بنی امیہ کے مقابلہ میں انصار و اہل بیت نبوی کا طرز عمل ایسا نہ تھا کہ عام لوگ اس سے متاثر ہوتے اور ان کی طرفداری پر آمادہ ہو جاتے چونکہ ملک میں دولت کی قدر کرنے کا رواج ہو چلا تھا اور وہ اس کی لذت سے آشنا ہو چکے تھے۔ اس لئے ان کے لئے روپیہ بڑی سخت ترغیب تھی اور وہ اس کے مقابلہ میں انصاف و دیانت، اتقاء و صداقت کی پروا نہ کرتے تھے۔

حضرت علیؓ اور ان کے طرفدار سخت مذہبی خیال رکھنے والے لوگ تھے،

---

[۱] اثیر ۳ - ۱۸۸ [۲] عقد الفرید ۱ - ۱۱۹

اور وہ دنیا کی کسی مصلحت کے لئے اپنے مذہب کو قربان نہ کرسکتے تھے خواہ انہیں کتنی ہی اذیتیں کیوں نہ پہنچیں برخلاف اس کے بنوامیہ کی عام روش یہی تھی کہ دولت کے ذریعہ سے لوگوں کے دلوں کو تو نہیں مگر ان کی زبان اور ہاتھ پاؤں کو اپنا طرفدار بنالیں اور وہ اس میں بڑی حد تک کامیاب بھی ہوئے۔

بنوامیہ کے طرزِ عمل سے مذہبی نقصان

جو شخص خالص سیاسی نقطۂ نظر سے اس مسئلہ کو دیکھے گا وہ یقیناً بنی امیہ کو قابل تعریف سمجھے گا اور حضرت علیؓ اور ان کے طرفداروں کے طرز عمل کو غیر دانشمندانہ خیال کرے گا، لیکن ایک نگاہ حقیقت بین معلوم کرسکتی ہے کہ بنوامیہ کے اس طرز عمل نے حقیقتاً مذہب اسلام کو کس قدر نقصان پہونچایا اور وہ خالص مذہبی روح جو اسلام کی ترقی کا باعث ہوئی تھی کسی درجہ ضعیف و مضمحل ہوگئی۔ اسلام کا مقصود دولت حاصل کرنا نہ تھا اس کا مدعا یہ نہ تھا کہ صرف ملک گیری مسلمانوں کا شعار قرار پائے بلکہ اس کا نصب العین تھا کہ لوگوں میں مذہب کی سچی روح پیدا کرے اور ان میں روحانی، اخلاقی کو ترقی کرتے ہوئے دیکھے چنانچہ حضرت علیؓ کا مقصود یہی تھا اور وہ اسی رسم کو تازہ کرنا چاہتے تھے۔ برخلاف اس کے بنوامیہ صرف ظاہری شان و شوکت، عارضی نمود و نمائش کو حقیقی ترقی سمجھتے تھے۔ بیشک ان کے عہد میں ملکی فتوحات مسلمانوں کو بہت حاصل ہوئیں لیکن اخلاقی حالت ضعیف ہوتی جارہی تھی جس کا نتیجہ آخرکار وہی ہوا جو

لہ عقد الفرید ۱- ۱۱۹

ایک دنیاوی کارگاہ عمل کا ہوا کرتا ہے۔ یعنی وہ تمام ترقی اور وہ تمام سلطنت و حکومت بنوامیہ کے پاس بھی نہ رہی اور بنو عباس کے پاس منتقل ہو کر رفتہ رفتہ وہاں سے بھی مٹ گئی۔ اگر مسلمانوں کی مذہبی خصوصیات رسول اللہ کے بعد کم از کم ایک صدی تک اور قائم رہتیں، تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس وقت دنیا کس عالم میں ہوتی اور مسلمانوں کے عظمت وجاہ کی داستانیں کسی دوسری قوم کو سنائی جاتیں۔

خلفائے راشدین بیت المال کو تمام مسلمانوں کی مشترکہ ملکیت سمجھتے تھے اور اس میں سے ایک خلیفہ یا گورنر صرف اسی قدر لے سکتا تھا جتنا اس کے لئے مقرر تھا وہ صرف ایک خزانچی کی حیثیت رکھتا اور مقررہ اصول کے خلاف اس کو صرف کرنے کا کوئی اختیار حاصل نہ تھا۔

جب حضرت ابوبکرؓ کا وصال ہوا تو آپ کے پاس صرف ایک دینار تھا۔ حضرت عمرؓ کو جب ضرورت ہوتی تو بیت المال سے قرض لیتے اور پھر ایک ایک درہم واپس کر دیتے۔ حضرت عمرؓ چاہتے تھے کہ بیت المال میں روپیہ جمع نہ رہے، اسی کے ساتھ آپ نے مسلمانوں کو زراعت کرنے، جائداد خریدنے سے بھی روک دیا تھا جس سے مقصود یہ تھا کہ مسلمان ہر وقت جنگ کے لئے آمادہ رہیں اور ان کے لئے کوئی تعلق ایسا باقی نہ رہے جو خدا کی راہ میں لڑنے سے انہیں باز رکھے۔ جو ملک فتح ہوتے تھے، وہاں سے محاصل وخراج ضرور وصول کیا جاتا تھا مگر صرف اس لئے کہ مجاہدین اسلام کی ضروریات رفع کی جائیں، نہ اس غرض سے کہ مسلمان دولتمند بنائے جائیں

بنوامیہ چونکہ صرف اپنے خاندان کو ممتاز ونمایاں کرنا چاہتے تھے، اور ان کا نصب العین اپنے گھرانے میں ایک مستقل سلطنت وحکومت قائم کرنا تھا اس لئے اُنہیں ضرورت تھی کہ وہ دوسرے قبیلوں اور با اثر ہستیوں کو مالوف کریں، اور اس کا ذریعہ سوائے اس کے اور کچھ نہ تھا کہ ان کے سامنے دولت پیش کریں اس لئے بنوامیہ نے بیت المال کو

اپنی سیاسی کامیابی کا ذریعہ بنایا اور نہایت بے دریغ، بیجا مصارف ہونے لگے، اس کے ساتھ ہی جائداد پیدا کرنے، مکانات تعمیر کرنے، باغ لگانے، شہر آباد کرنے کا مذاق لوگوں میں پیدا کیا اور اس طرح مسلمانوں کے اس محاربانہ خصوصیت کو سخت صدمہ پہنچایا جو خلیفہ اول و دوم نے نہایت مشکل سے پیدا کی تھی۔

چونکہ بنو امیہ کو اپنی سیاسی اغراض کی تکمیل کے لئے روپیہ کی بہت ضرورت رہتی تھی۔ اس لئے وہ دوسروں سے وصول کرنے میں بھی بہت سختی کرتے تھے۔ خلفاء بنی امیہ اپنے عاملوں کو لکھ دیتے تھے کہ اس قدر روپیہ بھیجدو، اور ان کا فرض ہوتا تھا کہ جہاں سے اور جس طرح ممکن ہو وصول کرکے روانہ کریں[1] پھر گورنر اپنے لئے بھی الگ ایک مخصوص رقم رکھ چھوڑتے تھے۔ جن سے ان کی دولتندیاں بڑھتی جا رہی تھیں۔ چنانچہ ایک گورنر کی سالانہ آمدنی ایک کروڑ درہم سے کم نہ ہوتی تھی[2]، اور اس سے وہ چند قیمت کا اس کے پاس مال و اسباب ہوتا تھا۔ اس کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ ایک اموی گورنر امیہ بن عبداللہ نے عبدالملک ابن مروان کو لکھا تھا کہ خراسان کی محاصل زمین اس کے باورچی خانہ کے مصارف کے لئے بھی کافی نہیں ہوتی[3]

جب خلفاء بنو امیہ کو معلوم ہوا کہ گورنر اس قدر فضول صرف کرتے ہیں اور ان کے پاس کثیر دولت فراہم ہو رہی ہے تو انہوں نے گورنروں سے چھیننا شروع کیا اور اسی طرح حرص و طمع کا دروازہ نہایت آزادی سے کھل گیا۔

---

[1] عقد الفرید ۱-۱۸ [2] اغانی ۱۹-۹۲ [3] اغانی ۱۳-۵۶

وصولی کی تدابیر

چار طریقے تھے جن سے روپیہ وصول کیا جاتا تھا جزیہ، خراج، زکوٰۃ اور عشر۔ ابتدائے اسلام میں زیادہ تر جزیہ وصول ہوتا تھا کیونکہ ذمی قومیں زیادہ تھیں۔ بنو امیہ کے زمانہ میں جب گورنر اس کے وصول کرنے میں بہت سختی کرنے لگے تو اکثر لوگ مسلمان ہو گئے لیکن بعض صورتوں میں ان کے اسلام لانے کے متعلق بھی یہی خیال کیا گیا کہ یہ محض جزیہ دینے سے بچنے کے لئے مسلمان ہوئے ہیں، اس لئے اسلام لانے کے بعد بھی ان سے جزیہ وصول کیا گیا حجاج ابن یوسف پہلا شخص تھا جس نے اس خیال پر عملدرآمد کیا اور اس کی تقلید گورنران افریقہ و خراسان وغیرہ نے کی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض حصص کے مسلمان پھر اسلام سے منحرف ہو گئے جب ۱۱۰ھ میں سمرقند کے بہت سے لوگوں نے اسلام کو چھوڑ دیا اور جب اشرس خراسان کا گورنر مقرر ہوا، تو اس نے ان کے پاس ایک قاصد بھیجکر اطلاع دی کہ اگر وہ پھر مسلمان ہو جائیں گے تو جزیہ معاف کر دیا جائے گا۔ یہ سنکر سب لوگ پھر مسلمان ہو گئے۔ اس طرح جو رقم جزیہ سے وصول ہوتی تھی بہت کم ہو گئی۔ حاکم سمرقند نے گورنر خراسان کو اطلاع دی کہ آمدنی جزیہ بالکل کم ہو گئی ہے، اس نے جواب دیا کہ صغد اور دیگر مقامات کے لوگ غالباً جزیہ سے بچنے کے لئے مسلمان ہو گئے ہیں۔ اس لئے جانچ کرو کہ کون کون نماز وغیرہ کا پابند ہے اور جو پابند نظر نہ آئے اس سے جزیہ وصول کرو۔ جب لوگوں کو یہ معلوم

ہوا تو انہوں نے اپنے تئیں پابند صوم وصلوٰۃ بنا لیا اور مساجد وغیرہ تعمیر کرانی شروع کیں۔ جب گورنر خراسان کو یہ حال معلوم ہوا تو اس نے حاکم سمرقند کو لکھا کہ "جن لوگوں سے پہلے جزیہ وصول کیا جاتا تھا ان سے وصول کیا جائے" اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سات ہزار مسلمان حدود سمرقند سے باہر نکل گئے۔ ایک عام برہمی رعایا میں پھیل گئی صُغد اور بخارا کے بہت سے لوگ پھر تارک اسلام ہو گئے اور جماعت اتراک نے ہتھیار سنبھال لئے۔ جب نصر ابن سیار گورنر خراسان ہوا تو اس نے ایک اعلان شائع کیا کہ مسلمانوں سے بالکل جزیہ وصول نہ کیا جائے گا اس کا نتیجہ یہ تھا کہ ایک ہفتہ کے اندر تیس ہزار مسلمان ایسے حاضر ہوئے جو جزیہ ادا کر رہے تھے۔[1]

بنو امیہ میں صرف ایک خلیفہ عمر وابن عبدالعزیز ایسے ہوئے ہیں جنہوں نے ان تمام سختیوں کا انسداد کیا اور خزانہ (بیت المال) کا روپیہ اپنے اوپر مطلق صرف نہیں کیا۔ جب آپ خلیفہ ہوئے تو آپ نے تمام گورنروں کے نام احکام جاری کئے کہ "تمام مسلمانوں سے جزیہ کی وصولی بند کی جائے کیونکہ محمد ہادی ہو کر آئے تھے نہ جزیہ وصول کرنے"[2] لیکن آپ کا زمانہ خلافت بہت کم رہا۔ ان کے بعد یزید ابن الولید نے بھی انہیں کی تقلید کرنی چاہی لیکن کامیابی نہیں ہوئی۔ خلیفہ عمر وابن عبدالعزیز کے قبل یہ بھی دستور تھا کہ ایک مقتول ذمی کے خونبہا کا روپیہ خلیفہ وقت لیا کرتا تھا آپ نے اس کو بالکل مسدود کر دیا۔[3]

چونکہ بنو امیہ کی ضروریات بڑھتی جاتی تھیں، اس لئے وہ مال زکوٰۃ بھی اپنے تصرف میں لاتے تھے شعراء کو جو انعام وغیرہ دیئے جاتے تھے، وہ اسی مد زکوٰۃ سے ادا ہوتے تھے[4] اور ایسا بھی ہوتا تھا کہ فوج کی تنخواہ بھی زکوٰۃ سے ادا

---

[1] اثیر ۵ - ۲۱۲   [2] مقریزی ۱ - ۷۵   [3] اثیر ۵ - ۲۱۲   [4] مقریزی ۱ - ۷۵

ہوتی تھی، جس کو لوگ بہت معیوب جانتے تھے۔ ایک بار خلیفہ عبد الملک مدینہ آیا اور حکم دیا کہ لوگوں کو ان کی تنخواہیں ان تھیلیوں سے دی جاتی ہیں۔ جن پر لفظ زکوٰۃ لکھا ہوا ہے، تو مدینہ والے برہم ہو گئے اور کہا کہ ہم کو مال غنیمت کی آمدنی سے تنخواہ ملنی چاہیئے۔ ہم زکوٰۃ نہیں لے سکتے۔ کیونکہ ہم خاندان نبوی سے متعلق ہیں جن کو زکوٰۃ لینا حرام ہے۔

منجملہ وصولی زر کی مختلف تدابیر کے ایک تدبیر یہ بھی تھی جو خصوصیت کے ساتھ زمانہ انحطاط میں استعمال کی گئی، کہ عہدہ گورنری فروخت کیا جاتا تھا۔ جب ولید ابن یزید خلیفہ ہوا تو اس نے مقبولیت حاصل کرنے کے لئے تنخواہوں میں اضافہ کیا، لیکن خزانہ میں اتنا روپیہ نہ تھا کہ اس بار کو اٹھائے، اور نہ کوئی ایسا گورنر تھا جو روپیہ وصول کر کے بھیج سکے، اس لئے اس نے خراسان کی گورنری یوسف ابن عمر کے ہاتھ فروخت کی اور بعد کو متعدد آدمیوں نے اس طریق سے گورنری حاصل کی۔[1]

بنو اُمیّہ کے مظالم

خلفائے راشدین کے عہد میں بھی خلیفہ کی عزت عام طور سے کی جاتی تھی لیکن اس کا نتیجہ یہ مترتب نہ ہوتا تھا کہ خلیفہ انصاف سے منحرف ہو جائے اس وقت سادگی کا یہ عالم تھا کہ جب کسی شخص سے کوئی قصور ہو جاتا تھا، تو وہ صاف صاف کہہ دیتا تھا اور خلیفہ اس کو سزا دے دیتا تھا۔ نہ کسی تحقیق کی ضرورت ہوتی تھی نہ تفتیش کی، نہ وہاں کوئی مخصوص عدالت گاہ کی عمارت تھی، اور

---

[1] الفاذ ۔ ۱۵ ۔ ۱۳

نہ قید خانہ کی۔ امیر معاویہ نے سب سے پہلے قید خانہ کی عمارت تیار کی اور
اور دستہ باڈی گارڈ قائم کیا[۱] جس کی ضرورت خلفائے راشدین کے زمانہ میں بالکل
نہ تھی۔ حضرت عمرؓ کے عہد میں بڑے سے بڑا شخص ذرا سے اشارہ پر حاضر ہو
جاتا تھا اور جب کسی مجرم کو سزا دی جاتی تھی۔ تو وہ نہایت صبر و تحمل کے ساتھ
اس کو قبول کرتا تھا۔ آپ معمولی سے معمولی جرم کو بھی نظر انداز نہیں فرماتے
تھے، کہ مبادا لوگوں میں اسی طرح کیا کرنے پر اصرار کا حوصلہ پیدا ہو جائے۔ جب امیر
معاویہؓ خلیفہ ہوئے تو لوگوں میں وہی حریت و آزادی باقی تھی۔ لیکن گورنران
معاویہ کے نزدیک یہ نہایت اندیشہ ناک بات تھی، اس لئے ان کی عادتیں بدلنے
کے لئے سختیاں کی جانے لگیں، اور سب سے پہلا وہ شخص جس نے ظلم و جور کو اصول
حکومت قرار دیا زیاد عراق کا گورنر تھا، وہ بظاہر اس کا مدعی تھا کہ میں حضرت
عمرؓ کی سیاست و سخت گیری پر عامل ہوں، لیکن حقیقت بالکل اس کے
خلاف تھی، اور مقصود کچھ اور تھا، اس کے بعد زیاد کا بیٹا عبید اللہ ابن زیاد
یزید کے زمانہ میں گورنر ہوا، اور اس نے جو مظالم کئے وہ سب پر ظاہر ہیں صرف
شبہ پر لوگ گرفتار کر لئے جاتے تھے، اور انہیں نہایت سخت سزائیں دی جاتی
تھیں۔ جب عراق کی گورنری حجاج ابن یوسف کو ملی تو وہ زمانہ عبد الملک
بن مروان کی خلافت کا تھا، اور اس وقت دعویدار خلافت متعدد لوگ تھے۔ اس
لئے حجاج نے زیاد اور ابن زیاد سے زیادہ ظلم کیا، اور تمام صوبہ میں تباہی و
بربادی پھیلا دی۔ یقیناً زیاد حجاج کی طرح ظلم نہیں کر سکتا تھا کیونکہ امیر
معاویہ اس کو بہت باز رکھتے تھے، اور ابن زیاد بھی ایسی سختیاں نہیں کر سکتا
تھا کیونکہ یزید نے صرف کھلے ہوئے دشمنوں کے ہلاک کرنے کا حکم دیا تھا، مگر

[۱] اثیر ۵۔ ۱۲۵، ۱۲۶، ۱۳۲

حجاج کو تو کوئی باز رکھنے والا نہ تھا' اس لئے جو کچھ اس نے کیا آج ساری دنیا پر روشن ہے مسعودی نے لکھا ہے کہ ایک لاکھ بیس ہزار آدمی اس کے زمانہ میں قتل کئے گئے اور پچاس ہزار مرد اور تیس ہزار عورتیں قید کی گئیں [1]

عبدالملک نہایت سفاک خلیفہ تھا اور حصول غرض کے لئے وہ مکر و فریب کو بھی جائز رکھتا تھا۔ ذیل میں ہم ایک مثال پیش کرتے ہیں جس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے دشمن پر قابو پانے کی غرض سے بدترین مثال عہد شکنی کے قائم کر سکتا تھا جب خلیفہ عبدالملک دمشق کو چھوڑ کر ابن زبیر سے جنگ کرنے عراق گیا (۶۹ھ) تو اس کا ایک امیر عمرو بن سعید جو خود خلیفہ بننا چاہتا تھا اس فرصت کو غنیمت جان کر شام آیا اور یہاں قبضہ کر لیا عبدالملک یہ سنکر فوراً واپس آیا اور عمرو ابن سعید سے جنگ کی، لیکن جب کوئی فیصلہ نہ ہو سکا تو عبدالملک نے کچھ شرائط صلح پیش کیں۔ جن پر فیصلہ ہو گیا۔ چار دن کے بعد عبدالملک نے اس کو بلایا یہ ایک سو موالی اپنے ساتھ لے کر گیا لیکن موالی کو باہر ٹھہرایا اور تنہا اندر گیا' اس وقت خلیفہ کے بہت سے عزیز اس کے پاس بیٹھے ہوئے تھے عبدالملک اس کی پذیرائی کے لئے آگے بڑھا اور اپنے پاس بٹھا کر گفتگو کرنے لگا' تھوڑی دیر میں ایک غلام سے کہا کہ "عمرو کی تلوار الگ کرے کیونکہ خلیفہ کے پاس اس شان سے بیٹھنا نامناسب ہے عمرو نے تلوار دیدی' اس کے بعد عبدالملک نے اس سے خطاب کیا کہ اے ابوامیہ جب تو نے بغاوت کی تھی تو میں نے قسم کھائی تھی کہ جب تو میرے مقابلہ میں آجائیگا تو تجھے ایک قفس میں قید کروں گا اور اس کے بعد ہی اوروں نے اس جملہ کو پورا کیا "اور پھر چھوڑ دوں گا" لوگوں نے اس سے کہا عمرو! خلیفہ کو اپنی قسم پوری کرنے کا موقع دیدو' تمہارا اس میں کوئی حرج نہیں" عمرو اس پر راضی

---

[1] مسعودی ج ۲ - ۱۱۳

ہوگیا اور ایک قفس منگا کر عمرو کو اس میں بند کر دیا، عمرو نے اس کے بعد بہت کچھ خلیفہ سے کہا اور اس کے مراعیہ یاد دلائے لیکن وہ اپنے دشمن پر قابو پا چکا تھا کیوں اس موقع کو ہاتھ سے جانے دیتا آخرکار اس نے عمرو کو قتل کرا دیا، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ بنو امیہ اپنی خلافت و حکومت کو تسلیم کرانے کے لئے کیا کچھ نہ کر سکتے تھے، اور انہوں نے نئے نئے طریقے اختیار نہیں کئے جس شخص کی طرف سے مخالفت کا خیال پیدا ہوتا تھا اس کے لئے سب سے پہلے یہی تدبیر اختیار کی جاتی تھی کہ وہ کسی طرح ہلاک کر ڈالا جائے، دشمنوں کو قتل کر کے ان کے سر تمام ملک میں مشتہر کئے جاتے تھے تاکہ لوگ مرعوب ہوں اور آیندہ مخالفت کا خیال دل میں نہ لائیں، سب سے پہلے جس شخص کا سر مشتہر کیا گیا عمرو بن الحمق الخزاعی تھا جو قاتلان حضرت عثمانؓ میں سے تھا۔[1] اس کے بعد عام دستور ہو گیا کہ مقتولین کے سر خلیفہ کے پاس لائے جاتے تھے اور کوچہ و بازار میں مشتہر کئے جاتے تھے اُس وقت کی سیاسی حالت اس قدر خطرناک تھی کہ بڑے بڑے لرزا کانپا کرتے تھے کہ خدا جانے کس وقت وہ مصلحت حکومت کا شکار ہو جائیں، اس سلسلہ میں ذیل کا واقعہ حسن اتفاق یا سوء اتفاق کی عجیب و غریب مثال ہے سننے کے قابل ہے جب مصعب ابن زبیر کا سر عبد الملک کے سامنے لایا گیا تو وہ کوفہ میں اپنے بالاخانہ پر بیٹھا ہوا تھا اور ابن عمیر اس کے پاس تھا جب ابن عمیر نے دیکھا تو وہ کانپ گیا عبد الملک نے وجہ دریافت کی تو اس نے کہا اللہ محفوظ رکھے میں اس بالاخانہ پر عبید اللہ ابن زیاد کے پاس بیٹھا تھا کہ حسینؓ ابن علیؓ کے سر کو اس طرح پیش ہوتے ہوئے دیکھا اس کے بعد میں مختار ابن ابی عبیدہ کے ساتھ یہیں بیٹھا تھا کہ عبید اللہ ابن زیاد کے سر کو پیش کئے

---

[1] اثیر ج ۴ - ۱۴۲ - [2] معارف - ۱۸۷

جاتے ہوئے دیکھا۔ اس کے بعد میں مصعب ابن زبیر کے ساتھ بیٹھا تھا کہ مختار ابن ابی عبید کا سر میرے سامنے آیا۔ عبد الملک یہ سنکر خوف زدہ سا ہو گیا اور اس بالا خانہ کو منہدم کرا دیا[۱]

الغرض قطع سر کا دستور بنی امیہ میں جاری ہوا اور بنو عباس کے عہد میں بھی قائم رہا۔ قصر شاہی کے متعلق ایک مکان الگ تھا جہاں یہ سر جمع کئے جاتے تھے[۲] اس کے بعد دھڑ کو سولی پر چڑھانے کا بھی رواج ہو گیا خوارج کے سر نیزوں پر بلند کئے جاتے تھے[۳] حجاج ابن یوسف کے عہد میں تکالیف جسمانی پہنچانے کا بھی دستور تھا جس کے لئے اس نے مختلف ظالمانہ و وحشیانہ طریقے ایجاد کئے زخموں پر نمک چھڑکوانا[۴] کھال کھچوانا وغیرہ سب حجاج کے زمانہ کے اختراعات ہیں خوارج بھی جب اپنے دشمن پر قابو پا جاتے تھے ان کو سخت ایذائیں پہنچاتے تھے، اور بچوں تک کو کھولتے ہوئے پانی میں چھوڑ دیتے تھے[۵]

ذمیوں کے ساتھ بنی امیہ کا سلوک

ابتدائے اسلام میں جن غیر مسلم قوموں کے ساتھ معاہدے کئے گئے تھے ان کو ذمی کہتے تھے اور جزیہ ادا کر لینے کے بعد ان کی عزت، ان کی دولت وغیرہ کی حفاظت کرنا مسلمانوں کا فرض ہو جاتا تھا۔ عہد نبوی میں ذمیوں کے ساتھ نہایت نرمی کا سلوک کیا جاتا تھا اور رسول اللہ ہمیشہ تاکید کرتے رہتے

---

[۱] ابن خلکان ا۔ ۲۹۶ [۲] فخری ۲۔ ۲۰۸ [۳] عقد العزید ۲۔ ۲۔ ۲
[۴] معارف ۱۱۵ [۵] مسعودی ۲۔ ۱۲۳

تھے کہ ان کے ساتھ لطف و رافت کا عمل کیا جائے، اسی طرح **خلفائے راشدین** کے زمانہ میں جب افواج اسلامی ادھر ادھر بھیجی جاتی تھیں تو ان کو ہدایت کر دی جاتی تھی کہ **راہبین** سے بالکل تعرض نہ کریں اور کلیساؤں کی عظمت کا خاص خیال رکھیں۔ اگر کسی شہر کے لوگ اکراہ ان شرائط کو منظور کر لیں۔ جو ایک ذمی قوم پر عائد ہوتی ہیں۔ ان سے بھی کوئی تعرض نہ کیا جائے اور ان کے مال و جان کی پوری حفاظت کی جائے۔ الغرض ذمیوں سے نہایت نرمی کا برتاؤ کرنے کا حکم تھا۔ چنانچہ خود عہد نبوی میں جو معاہدے ہوئے ہیں۔ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ کس قدر خیال فرماتے تھے۔ ۹ھ میں جب غزوہ **تبوک** ہوا تو رسول اللہؐ نے ایک تحریر ایلہ کو بھیجی، اور دوسری **اذرح** کے لوگوں کو جس سے آنحضرتؐ کا لطف و کرم بخوبی ثابت ہو سکتا ہے۔ ایلہ کو جو تحریر بھیجی گئی اس کے الفاظ یہ ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ ھذا امنۃ من اللہ و محمد النبی رسول اللہ لیحیی بن
روبۃ واہل ایلہ سفنہم وسیارتہم فی البر والبحر لہم ذمۃ اللہ وذمۃ محمد النبی
وکان معہم من اہل الشام واہل الیمن واہل البحر فمن احدث منہم حدثا
فانہ لایحول مالہ دونہ نفسہ وانہ طیب لمن اخذہ من الناس وانہ
لایحل ان یمنعوا ماءیردونہ ولا طریقا یریدونہ من بر او بحر۔"

"یہ تحریر امن ہے اللہ اور اس کے رسول محمدؐ کی طرف سے یحییٰ ابن روبہ اور ایلہ کے لوگوں کے لئے، اور ان کے جہازوں کے لئے اور ان کے قافلوں کے لئے، یہ ایک سند ہے امن کی خدا اور اس کے رسول کی طرف سے اہل شام کے لئے اہل یمن کے لئے اور اہل بحر کے لئے اگر ان میں سے کوئی نئی بات کرے گا تو اس کی دولت بیکار ثابت ہوگی، اور دوسروں کے لئے اس کا لے لینا حلال ہو جائے گا وہ اپنے مقامات کو قلعہ بند نہ کر سکیں گے۔"

دوسری تحریر جو **بنو جبیبہ** اور اہل **مقنا** کے لوگوں کو لکھی گئی تھی اس میں بھی **رسول اللہؐ** نے ان کے تمام جرائم کو معاف کرتے ہوئے وعدۂ امن دیا تھا' اور پیداوار زمین اور ان کا ایک ربع بطور جزیہ کے مقرر فرما کر ان کی حفاظت کا وعدہ کیا گیا تھا اور ان کو یقین دلایا گیا تھا کہ ان کا حکمران انہیں میں سے کوئی منتخب کیا جائے گا یا پھر خاندان نبوی میں سے[1]

رسول اللہؐ کے بعد فتح **شام** و **مصر** **عراق** و **فارس** کے وقت بھی خلفائے راشدین نے اپنا طرز عمل یہی رکھا **خالدؓ ابن ولید** نے جو صلح نامہ دمشق والوں کو لکھکر دیا اس کا مفہوم یہی تھا کہ

"اگر مجھے شہر کے اندر داخل ہونے کی اجازت دی گئی تو تمہاری جانیں تمہارا مال اور تمہارے کلیسا محفوظ رہیں گے' نہ تمہارے مکانوں میں لوگ ٹھہرائے جائیں گے' اور نہ عمارتیں مسمار کی جائیں گی اور جب تک تم جزیہ ادا کرتے رہو گے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے گا"[2]

اسی طرح **ابوعبیدہ** نے **بعلبک** کے لوگوں کو عہد نامہ لکھ دیا کہ

"یہ تحریر امن ہے' بعلبک کے یہودیوں' پارسیوں اور عربوں کے لئے' ان کی جانیں' ان کے مال' ان کے کلیسا' ان کے مکانات وغیرہ جو شہر کے اندر ہیں محفوظ رہیں گے۔ یہودیوں کو اجازت ہوگی کہ وہ اپنے مویشیوں کو پندرہ میل تک چرا سکیں' ربیع الثانی اور جمادی الاول گذر جانے کے بعد ان کو اختیار ہوگا جہاں چاہیں جائیں' ان کے سوداگر تجارت اور سفر کے لئے آزاد ہوں گے اگر وہ مسلمان ہو جائیں گے تو ان کے حقوق و فرائض وہی ہونگے جو ہمارے ہیں"[3]

---

[1] بلاذری ۶۰ [2] بلاذری ۱۴۱ [3] بلاذری ۱۳۰

اسی طرح عمرو ابن العاص اور سعد ابن ابی وقاص نے فتح مصر عراق، فلسطین، فارس، افریقہ اور اندلس کے وقت وہاں کے لوگوں کے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا لیکن جیسا کہ ابھی بیان کیا جا چکا ہے بنو امیہ کے عہد میں تمام معاہدات بے اثر تھے، اور حصول زر کے لئے ہر ممکن جبر عام طور سے کام میں لایا جاتا تھا "مال غنیمت" زر زکوٰۃ سب پر ان کا دست تصرف دراز تھا اور اس میں سے صرف ان لوگوں کو کچھ دیدیا جاتا تھا جن سے انہیں امداد کی توقع ہوتی تھی۔

خلاصہ

بنو امیہ میں کل ۱۴ خلیفہ ہوئے جن کا زمانہ ۴۱ھ سے شروع ہو کر ۱۳۲ھ میں ختم ہو جاتا ہے، ان میں سے امیر معاویہ (۴۱ھ سے ۶۰ھ) عبدالملک (۶۵ھ سے ۸۶ھ) ولید ابن عبدالملک (۸۶ھ-۹۶ھ) اور ہشام ابن عبدالملک (۱۰۵ھ سے ۱۲۵ھ) اپنے سیاسی قابلیت اور فتوحات ملکی کے لحاظ سے خاص امتیاز رکھتے ہیں۔

اس خاندان میں صرف ایک خلیفہ عمر ابن عبدالعزیز کے اصول بالکل مختلف تھے، وہ اپنے زہد و اتقا، اپنے آئین حکومت اور نظم سلطنت کے لحاظ سے بالکل خلفائے راشدین کے مقلد تھے اور خلفائے بنو امیہ میں آپ کی ذات عجیب و غریب مستثنیٰ تھی لیکن آپ کا زمانہ بہت کم رہا۔

ان چار خلفاء کے علاوہ اور جتنے تھے سب کمزور، عیش پرست اور غافل تھے، اگر خاندان میں یہ چار خلیفہ نہ پیدا ہوئے ہوتے تو بنو امیہ کا زوال

امیر معاویہ کا جانشین یزید اپنے وقت کا زیادہ حصہ سیر و شکار میں صرف کیا کرتا تھا اور شراب کا بھی سخت عادی تھا' اسی کے عہد میں موسیقی و آلات موسیقی کا رواج مکہ ' مدینہ میں شروع ہوا' جس سے اُس وقت تک مسلمان بالکل نا آشنا تھے[1]

اس کا ہمنام یزید بن عبدالملک بھی اسی رنگ سے سرشار نظر آتا تھا۔ اس کے پاس دو کنیزیں سلامہ اور حبابہ تھیں اور انہیں کے ساتھ اپنا اکثر وقت صرف کرتا تھا' ایک دن حبابہ نے کچھ شعر گائے جس کو سُنکر یزید اس قدر مست ہو گیا کہ اسی عالم سکر و مخموریت میں حبابہ کو اپنے بعد جانشین کرنے کا وعدہ کر لیا۔ ایک دن وہ حبابہ کے ساتھ بادہ نوشی میں مصروف تھا کہ انگور کی ایک گٹھلی اس کے حلق میں اٹک گئی' اور دم بند ہو جانے سے حبابہ اسی وقت مر گئی۔ یزید کو اس قدر سخت صدمہ ہوا کہ تین دن تک اس کو دفن کرنے کی اجازت نہیں دی' اور ایک ہفتہ کے بعد خود بھی مر گیا[2]

ولید ابن یزید ابن عبدالملک کا حال بھی یہی تھا' اور صرف شکار و بادہ نوشی لہو کا محبوب مشغلہ تھا' اسے شراب کا اس قدر شوق تھا کہ ہر وقت حوض میں بھری رہتی تھی' اور وہ اس سے لے کر پیا کرتا تھا۔

اس کے دربار میں ہر وقت مغنیوں کا ہجوم رہتا تھا اور مشکل سے کوئی وقت ایسا ہوتا تھا' جب وہ مخمور نہ ہو یا موسیقی کی لذتوں سے سرشار نظر آئے'

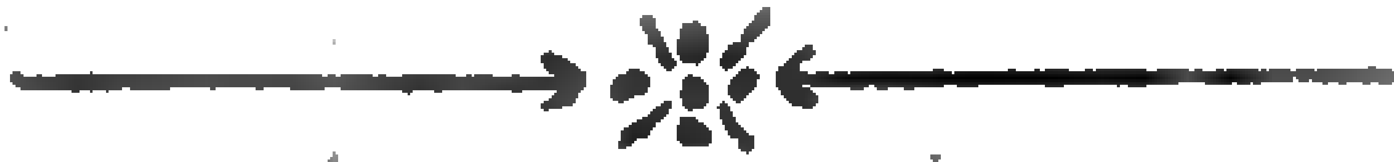
اعراب میں سب سے زیادہ برہمی امیر معاویہ کی اس حرکت سے ہوئی کہ اُنہوں نے اپنے بیٹے یزید کو جانشین کیا۔ در آنحالیکہ انہیں اس کے نااہل ہونے کا پورا یقین تھا' پھر چونکہ یزید کے بعد اکثر ایسے ہی خلیفہ ہوئے جو عیش پرست

---

[1] مسعودی ۲-۴۰۲ [2] ایضاً ۵۷ [3] اغانی ۳-۹۰

تھے اس لئے اعراب کی برہمی اور بڑھ گئی۔

جب بنو امیہ کا زوال ہوا تو اتفاق سے خلافت مسلسل ضعیف ہاتھوں سے ضعیف ہاتھوں میں منتقل ہوتی آرہی تھی، اور چونکہ رعایا سخت پریشان تھی، اس لئے آخر کار وہ وقت آگیا، جب خدا ایک گروہ کو تباہ کرکے دوسرے کو اس کا جانشین بناتا ہے، اور اس طرح مروان الحمار کے بعد جو کہ خاندان بنی امیہ کا آخری خلیفہ تھا ابوالعباس سفاح کا عہد شروع ہوا جسے خاندان بنی عباس کا اولین خلیفہ ہونے کا فخر حاصل ہے۔



باب سوم

خلفائے بنی عباس ۱۳۲-۶۵۶ھ

گزشتہ بیان سے معلوم ہوا ہوگا کہ اسی وقت جبکہ خاندان بنی اُمیہ میں خلافت کی بنیاد مضبوط و مستحکم ہو رہی تھی ایک گروہ ایسا بھی تھا جو بنو اُمیہ کا مخالف تھا اور حق دار خلافت حضرت علیؑ اور اُن کے خاندان کو سمجھتا تھا



امام حسنؑ کی دست برداری خلافت سے

جب حضرت علیؓ کا وصال ہوا، تو امام حسنؓ کو لوگوں نے آمادہ کیا کہ وہ امیر معاویہؓ سے بزورِ شمشیر خلافت حاصل کریں، لیکن آپ فطرتاً صلح جو، امن پسند طبیعت رکھتے تھے علاوہ اس کے امیر معاویہؓ کے اقتدار و اثر سے بھی اچھی طرح واقف تھے اس لئے آپ اس حق سے دست بردار ہو گئے اور کوفہ میں ایک عام برہمی پیدا ہو گئی۔ لیکن چونکہ اس وقت کوفہ کی حکومت زیاد کے ہاتھ میں تھی، جو نہایت ذی ہوش دل و دماغ کا شخص تھا اس نے طرفدارانِ علیؓ میں سے بہت سے سربرآوردہ لوگوں کو قتل کر کے اس ہنگامہ کو فرو کر دیا۔ ہر چند اس شورش کا انسداد کلی نہیں ہوا تھا اور یقیناً اس کے بعد ہی پھر لوگوں کی برہمی زیادہ سختی کے ساتھ رونما ہوئی لیکن سب کو یقین تھا کہ امیر معاویہؓ کے بعد خلافت ضرور اہل بیت میں منتقل ہو گی، اس لئے وہ خاموش ہو گئے اور امیر معاویہؓ کی وفات کا انتظار کرنے لگے، لیکن جب کچھ زمانہ بعد انہیں معلوم ہوا کہ امیر معاویہؓ اپنے بعد یزید کو خلیفہ بنانا

چاہتے ہیں تو پھر ایک عام برہمی پھیل گئی کیونکہ اس طرح نہ صرف اہل بیت خلافت سے محروم کئے جاتے تھے بلکہ یزید کی اخلاقی حالت اس قدر گری ہوئی تھی، کہ اس کی طرف سے لوگوں کو سخت اندیشہ تھا اور سمجھتے تھے کہ اس کا عہد سخت نامبارک ثابت ہوگا

یزید کی جانشینی کا اعلان اور شہادت امام حسینؓ

جب امیر معاویہؓ کا ۶۰ھ میں انتقال ہوا اور یزید نے خلافت کا اعلان کیا تو امام حسینؓ نے بیعت سے انکار کر دیا اس وقت آپ مدینہ میں ہی تھے۔ لیکن بعد کو آپ مکہ تشریف لے گئے چونکہ طرفداران اہل بیت کی بڑی تعداد کوفہ میں موجود تھی، اس لئے انہوں نے امام حسینؓ کو بلایا اور امداد کا وعدہ کیا۔ آپ چلے لیکن کوفہ تک پہنچے بھی نہ تھے کہ وہ لوگ اپنے عہد و پیمان سے منحرف ہو گئے اور عبیداللہ ابن زیاد نے ایک لشکر گراں بھیجکر میدان کربلا میں ۱۰ محرم ۶۱ھ کو انہیں شہید کر دیا۔ اس واقعہ کے بعد کوفہ والوں کو ہوش آیا اور انہیں اپنی غفلت پر سخت ندامت ہوئی لیکن وقت گزر چکا تھا اور یزید کی حکومت قائم ہو چکی تھی۔

گورنر کوفہ کا اخراج مختار کا خروج

چار برس کے بعد جب یزید مرا اور مروان ابن الحکم کی خلافت کا

اعلان ہوا تو کوفہ والے شہادت حسینؑ کا انتقام لینے کے پھر کھڑے ہوتے اور عبید اللہ ابن زیاد کو جو اس وقت بھی کوفہ کا حاکم تھا نکال کر اپنے گروہ میں سے ایک شخص کو اس کی جگہ مقرر کر دیا لیکن چونکہ ایسے ہنگامے ایک قائم ہو جانے والی حکومت کے خلاف کوئی مستقل کامیابی حاصل نہیں کر سکتے اس لئے اس کا نتیجہ بھی کچھ نہ ہوا اور عبید اللہ ابن زیاد نے چند دن بعد پھر اپنی حکومت قائم کر لی لیکن اسی زمانہ میں مختار ابن ابی عبید نے خروج کیا اور کوفہ میں آکر لوگوں کو آمادہ کیا کہ بنو امیہ کے خلاف ایک جماعت تیار کی جائے اور حسینؑ کے خون کا بدلے کر محمد ابن الحنفیہ کو جو پدری سلسلہ سے امام حسینؑ کے بھائی تھے خلیفہ مقرر کیا جائے اس تجویز میں اس حد تک کامیابی ہو سکی کہ ایک بڑی جماعت مختار کی ہم آہنگ ہو گئی اور ابن زیاد کو مع اس کے بہت طرفداروں کے جنہوں نے شہادت حسینؑ میں حصہ کیا تھا ہلاک کر دیا لیکن محمد ابن الحنفیہ نے خلافت سے انکار کر دیا اور بجائے ان کے عبد اللہ ابن زبیر کے لئے اعلان خلافت کیا گیا۔

مختار کا قتل

جب عبد اللہ ابن زبیر کو معلوم ہوا کہ مختار در پردہ خود لیت سے کوشش کر رہا ہے تو انہوں نے اپنے بھائی مصعب کو حاکم عراق مقرر کر کے مختار سے مقابلہ کرنے کے لئے مامور کیا۔ اور مختار ۶۷ھ میں مار ڈالا گیا۔

علویین کے دو گروہ

شہادت حسینؑ کے بعد طرفدارانِ علیؑ کے دو گروہ ہوگئے ایک تو خلافت کا حق دار صرف بنو فاطمہؑ کو ظاہر کرتا تھا اور دوسرا محمد ابن الحنفیہ کو، اول الذکر جماعت زیادہ قوی اور با اثر تھی، اس نے امام حسینؑ کی شہادت کے بعد زین العابدینؑ کی خلافت کو صحیح سمجھ کر علم اٹھایا اور بارہ پشتوں تک سلسلہ امامت کو حسب ذیل فرض کرلیا۔ علیؑ، حسنؑ، حسینؑ، زین العابدینؑ، محمد الباقرؑ، جعفر الصادقؑ، موسیٰ الکاظمؑ، علی الرضاؑ، محمد التقیؑ، علی النقیؑ، حسن العسکریؑ، محمد المہدیؑ۔

انہیں شیعیان علیؑ میں ایک گروہ وہ تھا جو زید ابن علی ابن حسینؑ کا طرفدار تھا جسے زیدی کہتے ہیں، اور دوسرا گروہ وہ تھا جس نے اسمٰعیل بن جعفر صادقؑ کے ہاتھوں پر بیعت کی اور اسے اسمٰعیلی کہتے ہیں۔

بنو امیہ کا سلوک علویین کے ساتھ

جب بنو امیہ کو شیعیان علیؑ کے ظہور کی خبر ہوتی تھی تو وہ ان کے فنا کر دینے کے لئے کوئی دقیقہ کوشش کا نہ اٹھا رکھتے تھے چنانچہ اس طرح اکثر لوگ قتل ہوگئے اور جو باقی رہے انہیں بنو امیہ کے اقتدار و قوت

کو دیکھ کر چپ جاتا پڑتا اور فاقوں تک نوبت پہنچ گئی جب ۱۲۰ھ میں خالد القسری گورنر ہوا تو اس نے ان لوگوں کے ساتھ بہت کچھ رعایتیں کیں، اور جہاں تک ہو سکا ان کی مدد کی۔

آل عباس

دوسرا گروہ جو بنو امیہ کے مقابلہ میں دعوے دار خلافت تھا آل عباس کا تھا۔ ہر چند انہوں نے بنو امیہ کے زمانہ عروج میں کوئی صریح کوشش حصول خلافت کے لئے نہیں کی، تاہم وہ اس آرزو کو اپنے دل میں لئے ہوئے تھے اور وقت کا انتظار کر رہے تھے۔

ابو ہاشم کا حقوق خلافت محمد عباسی کو سپرد کرنا

جب ہشام ابن عبد الملک کا عہد شروع ہوا تو عباسی جماعت حمیمہ میں (شام کا ایک قریہ) موجود تھی اور شیعیان علیؓ کا وہ گروہ جو محمد ابن الحنفیہ کا طرفدار تھا ان کے بیٹے ابو ہاشم کی خلافت کے لئے کوشش کر رہا تھا۔ ابو ہاشم اس وقت حالت سفر میں تھے اور مدینہ واپس جا رہے تھے، راستہ میں آپ بیمار ہو گئے اور حمیمہ آکر محمد ابن علی ابن عبد اللہ ابن عباس کے پاس جو اس وقت عباسیوں کے سردار تھے مقیم ہوئے اور بوقت واپسین میں اپنے حقوق خلافت محمد کے سپرد کر گئے

دعاۃ کی روانگی

چونکہ اب شیعیان علی کا ایک زبردست گروہ محمد عباسی کے ساتھ ہو گیا تھا اس لیے انہوں نے خفیہ طور سے اپنے داعی ملک کے مختلف حصوں میں بھیجنے شروع کئے لیکن اس کے بعد ہی آپ کا انتقال ہو گیا اور اس طرح حق خلافت آپ کے صاحبزادے ابراہیم کی طرف منتقل ہوا۔

ابراہیم نے سب سے پہلے خراسان کی طرف اپنا داعی روانہ کیا۔ کیونکہ عراق و خراسان میں شیعیان علی کی بڑی جماعت موجود تھی اور ان سے امداد کی زیادہ توقع تھی ابراہیم نے اپنے تمام داعیوں سے کہہ دیا تھا کہ وہ صرف آل محمدؐ کے لئے بیعت و حلف حاصل کریں۔ تخصیص بنی عباس یا بنی فاطمہ کی ضرورت نہیں چونکہ خراسان کے لوگ بنی امیہ کے مظالم سے تنگ آ چکے تھے۔ اس لئے انہوں نے بلا درنگ فوراً خاندان نبوی کے لئے وعدہ اطاعت کر لیا

ابو مسلم کی طرفداری

اسی زمانہ میں خوش قسمتی سے ابو مسلم خراسانی ابراہیم کا طرفدار ہو گیا اور آخر کار آیا۔ اس شخص کی کوشش سے خلافت عباسیہ کی بنیاد قائم ہو گئی۔

جب ہاشمیوں کو (جن میں عباسیین اور علویین شامل تھے) معلوم ہوا کہ بنو امیہ کی قوت بہت کمزور ہوچکی ہے تو مکہ میں یہ فیصلہ کرنے کے لئے جمع ہوئے کہ اب خاندانِ نبوی میں سے خلافت کس کو ملنی چاہیئے۔ اس جماعت میں ابوالعباس (سفاح) ابو ابوجعفر (المنصور) خاندان عباس کے بھی موجود تھے انہوں نے کہا کہ خاندانِ علی میں جو شخص اس وقت سب سے زیادہ بزرگ محترم ہے، ہم لوگ اسی کی اطاعت کریں گے۔ اُس وقت اس خاندان میں محمد ابن عبداللہ ابن الحسن المثنیٰ ابن حسنؓ ابن علیؓ سب سے زیادہ سربرآوردہ تھے، اس لئے سب نے انہیں کی اطاعت کا حلف لیا۔

محمدؐ ابن عبداللہ کا انتخابِ خلافت

اسی حلف کا اثر تھا کہ جب بنو عباس نے اپنے داعیوں کو مختلف میں بھیج کر خاندان نبوی کی خلافت کے لئے لوگوں کو آمادہ کیا تو علویین خاموش رہے اور انہوں نے کوئی مخالفت نہیں کی لیکن ابوسلمہ (مشہور ایرانی النسل تاجر) کا یہی ارادہ تھا کہ وہ تخصیص کے ساتھ علویین کے لئے لوگوں سے حلف اطاعت حاصل کرے۔ مگر بنو عباس نے ابومسلم سے مل کر ابوسلمہ کو معہ چند اور لوگوں کے جن سے مخالفت کا اندیشہ تھا قتل کرادیا۔

ابوالعباس کی خلافت

جب بنو امیہ کا خاتمہ ہوگیا اور ۱۳۲ھ میں ابوالعباس نے اپنے

لیے اعلان خلافت کیا تو علویین کوفہ آئے اور اُن سے کہا یہ بدعہدی کیسی لیکن ابوالعباس نے ان کو انعامات کی بارش سے راضی کر کے واپس کر دیا۔ عبداللہ ابن الحسن جو اُس وقت علویین کے سردار تھے وہ بھی آئے تھے۔ ان کی ابوالعباس نے بڑی خاطر و مدارت کی اور کہا کہ آپ جس قدر رقم فرمائیں میں دینے کے لئے طیار ہوں، اُنہوں نے کہا میں نے دس لاکھ درہم کبھی نہیں دیکھے اس نے خلافت کو بیچ دیا اور ناعاقبت اندیشی کا ثبوت دیا۔

علویین کے ساتھ فیاضانہ سلوک

ابوالعباس نے اسی وقت ایک شخص ابن ابی مقرن سے یہ رقم قرض لے کر اُن کے حوالے کر دی۔ اتفاق سے اسی وقت وہ فوج بھی واپس آئی جو مروان کے خلاف جنگ کرنے گئی تھی اور بہت سے جواہرات لا کر پیش کیے۔ ابوالعباس نے عبداللہ کے سامنے ہی ان کو دیکھنا شروع کیا۔ عبداللہ رونے لگے، ابوالعباس نے وجہ پوچھی تو کہا "مجھے اس وقت یہ خیال آیا کہ خاندان مروان کی لڑکیاں ان جواہرات کا استعمال کریں، اور میری لڑکیاں انہیں دیکھ بھی نہ سکیں، ابوالعباس نے یہ سُن کر سب جواہرات ان کو دے دیے اور ایک دولتمند تاجر سے کہا کہ ۸۰ ہزار دینار قیمت دے کر اُن سے خرید لے۔ الغرض ابوالعباس نے ان کو دولت سے بالکل خاموش کر دیا اور جب گھ

ملہ دنیا کے بھوکے ایسے ہی اپنے خاندان کو داغدار کرتے ہیں اصد افسوس اس انسان پر ، غلام ہی

پہونچ کر انہوں نے اپنے اعزا میں اُسے تقسیم کیا تو سب اپنی اپنی جگہ مطمئن ہو گئے۔

اس میں شک نہیں کہ علوئین کا یہ ایثار یا خاموشی زیادہ پائدار نہ تھی، اور ابوالعباس سمجھتا تھا کہ عبداللہ اپنے بیٹے محمد کی خلافت کے متمنی ہیں، اس لئے ابوالعباس جب تک زندہ رہا اُس نے ہمیشہ انعام و اکرام سے اس فتنہ کو دبائے رکھا۔

ابوجعفر منصور کا طرزِ عمل

جب ابوالعباس کا انتقال ہوا اور سنہ ۱۳۶ھ میں اس کا بھائی منصور خلیفہ ہوا تو اس نے طریق عمل بدل دیا۔ یہ بڑا باہمت اور جری شخص تھا اور اپنی حکومت و سلطنت کو مستحکم کرنے کے لئے ہر ممکن تدبیر اختیار کرنے پر آمادہ تھا۔ ابوجعفر المنصور نے سب سے پہلے یہ معلوم کرنے کی کوشش کی کہ مدینہ میں کون کون لوگ ایسے ہیں جو اس کی خلافت سے منحرف ہیں، چنانچہ جب اس نے سالانہ مصارف اہل مدینہ کے لئے روانہ کئے تو وہاں کے گورنر کو لکھا کہ ہر شخص کو بلا بلا کر خود دے اور جو لوگ اپنی تنخواہیں لینے نہ آئیں اُن کے نام سے اطلاع دے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی تاکید کی کہ عبداللہ اور ان کے دونوں بیٹے محمدؒ اور ابراہیمؒ کے خیالات کی خصوصیت کے ساتھ جستجو کرے۔ گورنر نے تعمیل حکم کے بعد خلیفہ کو مطلع کیا کہ محمد اور ابراہیم اپنی تنخواہ لینے نہیں آئے۔ منصور سمجھ گیا کہ ان کے دماغ میں ہنوز سودائے خلافت جاگزیں ہے۔

اگر ابوالعباس کی طرح منصور بھی علویین کے سامنے دولت پیش کرنا پسند کرتا تو شاید کوئی ہنگامہ اس کے خلاف پیدا نہ ہوتا، لیکن منصور کو اپنی قوت شجاعت پر بڑا ناز تھا اور دولت کے ذریعہ سے مخالفین کی خاموشی خریدنا وہ اپنی توہین خیال کرتا تھا۔ جب مدینہ کے علویین یقین ہو گیا کہ منصور کی دولت میں اُن کا کوئی حصّہ نہیں ہے، تو انہوں نے مخالفت شروع کی اور خراسان وغیرہ کی طرف اپنے داعی بھیجنے شروع کئے۔ اُدھر منصور کو یہ ساری خبریں پہونچ رہی تھیں اس نے داعیوں کو راستہ ہی میں گرفتار کرایا اور عبداللہ کو لکھا کہ "اپنے دونوں بیٹوں کو میرے پاس بھیج دیجئے" اُنھوں نے جواب دیا "مجھے اُن کا حال معلوم نہیں" منصور نے مجبوراً گورنر مدینہ کو لکھا کہ ابراہیم و محمد کو معہ اُن کے ساتھیوں کے گرفتار کر کے عراق بھیج دے۔

علویین کا قتل

لیکن یہ نہیں ملے اور ان کے ساتھی عراق بھیج دیئے گئے۔ جہاں سوائے ایک آدھ کے سب تہ تیغ کر دیئے گئے۔ چونکہ محمدؐ ابن عبداللہ کے حق میں خود ابوالعباس اور منصور نے اظہار اطاعت کیا تھا۔ اس لئے منصور ان کی طرف سے بہت خائف تھا۔

محمدؐ کا دعوائے خلافت

اسی اثناء میں محمدؐ نے علانیہ دعوائے خلافت کر کے مدینہ والوں سے بیعت

لینی چاہی۔ اُنہوں نے مشہور فقیہہ مالک ابن انس سے مشورہ کیا' آپ نے کہا کہ محمدؐ کا دعوائے خلافت صحیح ہے اور اہل مدینہ کو بیعت کرنی چاہئے۔ اہل مدینہ نے عذر پیش کیا کہ اس سے قبل ہم منصور کی اطاعت کا حلف لے چکے ہیں۔ امام مالک نے کہا کہ وہ بیعت جبر و اکراہ سے حاصل کی گئی تھی اس لئے ناجائز ہے۔ امام ابوحنیفہ نے بھی یہی مشورہ دیا۔ لیکن منصور کی قوت کے سامنے کامیابی نہ ہوئی اور علویین کا جوش خلافت آہستہ آہستہ سرد ہو گیا۔

بنو عباس کے دو مخالف گروہ

بیان سابق سے معلوم ہوا ہو گا کہ جب بنو عباس دعوے دار خلافت ہوئے تو اُن کے سامنے دو بڑے زبردست خطرے تھے ایک بنو امیہ کا' جن سے انہیں جنگ کرنی تھی اور دوسرے علویین کا جو اپنے تئیں حقدار خلافت سمجھتے تھے۔ تجربات نے ان کو بتا دیا تھا کہ صرف زہد و اتقا' دیانت و صداقت سے سلطنت و حکومت نہیں مل سکتی' اس لئے اُنہوں نے سفاکی و خونریزی سے اچھی طرح کام لیا اور ابو مسلم گورنر خراسان نے جو بنو عباس کا خاص آدمی تھا اس میں بڑی مدد کی۔ ابومسلم کے زمانے میں جو لوگ قتل کئے گئے' ان کی تعداد چھ لاکھ بتائی جاتی ہے[1]۔ جس میں گروہ علویین کے بڑے بڑے لوگ اور خود بنو عباس کے وہ داعی بھی شامل تھے جن کی طرف سے مخالفت کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔

---

[1] اثیر۔ ۵۔ ۲۲۷

بنو عباس کی سختیاں

ابو سلمۃ الخلال (سرکہ کا تاجر) وہ شخص تھا، جس نے بنو عباس کا ساتھ اپنی دولت سے دیا تھا اور اس طرح وہ وزارت کے درجہ تک پہونچ گیا تھا، لیکن جب ابوالعباس سفاح کو شبہ ہوا کہ وہ علویین کا طرفدار ہو گیا ہے تو ابو مسلم کے مشورہ سے قتل کرا دیا گیا۔ اور اس کے ساتھ کے جتنے گورنر مختلف صوبوں میں مامور تھے معزول کر دیئے گئے۔ اسی طرح سلیمان ابن کثیر بڑا زبردست حامی بنو عباس کا تھا، لیکن جب ابو مسلم کو اس کے خلاف شبہ پیدا ہوا تو اُسے بلاکر کہا "تمہیں معلوم ہے کہ خلیفہ نے مجھے ہر اس شخص کو قتل کر ڈالنے کا حکم دے دیا ہے، جس کی طرف سے مجھے مخالفت کا اندیشہ ہو اور مجھے تمہارے متعلق بہت شک ہے۔" سلیمان نے نہایت الحاح وزاری کے ساتھ اُسے یقین دلایا کہ وہ مخالف نہیں ہے لیکن ابو مسلم نے ایک نہیں سنی اور اس کو بھی قتل کرا دیا[1]۔ رفتہ رفتہ یہ ظلم وستم اس قدر بڑھ گیا کہ ہر وہ شخص جو خلیفہ کے سامنے طلب ہوتا تھا، اپنی موت کا یقین لے کر جاتا تھا۔ اس طرز عمل سے بعض سرداران بنو عباس بھی بہت برہم ہو گئے اور تقریباً پچاس ہزار آدمیوں کی جماعت خلیفہ کی مخالفت پر آمادہ ہو گئی، لیکن ابو مسلم کی خون آشام تلوار سے کس کو مفر تھا۔ اس نے ان کا فیصلہ بھی ہمیشہ کے لئے کر دیا۔

---

[1] کثیر۔ ۵۔ ۲۰۸

بنو امیہ کی تباہیاں

یہ تھا۔۔ طریق عمل جس کے ذریعہ سے ابو مسلم نے بنو عباس کے لئے خلافت کا راستہ صاف کیا۔ پھر اس نے صرف یہی نہیں کیا کہ بنو امیہ کے آخری خلیفہ کو ہلاک کر ڈالتا بلکہ اس نے سفاح کو یہ بھی مشورہ دیا کہ اس خاندان کے ایک شخص کو بھی زندہ نہ چھوڑنا چاہیئے ابو مسلم نے بعض شعرا کو بھی اس خدمت پر مامور کیا تھا کہ وہ وقتاً فوقتاً خلیفہ کو بنو امیہ کے خلاف مشتعل کرتے رہیں۔ چنانچہ جس وقت سلیمان، خلیفہ عبد الملک (اموی) کا بیٹا سفاح کے پاس موجود تھا، سُدیف نے سفاح کو یہ شعر سُنائے۔

لا یغرنک ماتری من رجال ان تحت الضلوع داءً دویا

فضع السیف وارفع السوط حتے لا تری فوق ظہرہا امویا

"لوگوں کی ظاہری حالت سے فریب نہ کھا، کیونکہ ان کے دلوں میں پوشیدہ بیماری (بغاوت) بھری ہوئی ہے، اپنی تلوار نکال، اور کوڑا اٹھا۔ جب تک کہ ایک اموی بھی روئے زمین پر نظر نہ آئے"

سفاح نے سنتے ہی حکم دیا کہ سلیمان قتل کر دیا جائے۔ اس کے دوسرا شاعر آیا اور اس نے بھی اسی مضمون کے کچھ شعر پڑھے۔ اس وقت ۷۰ آدمی بنو امیہ کے سفاح کے پاس بیٹھے تھے سفاح نے ان کو بھی قتل کرا دیا [1]

---

[1] فخری - ۱۳۲

دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ انہیں سفاح کے چچا عبداللہ ابن علی نے قتل کرا دیا تھا' جو بنوامیہ کا سخت دشمن تھا تاہم اس پر سب کو اتفاق ہے کہ یہ لوگ سنہ ۱۳۲ھ میں قتل کئے گئے جب کہ ان کی خطائیں معاف کی جا چکی تھیں۔

جب بنو عباس نے بنوامیہ کے تمام اُن افراد کو جو اُن کے قابو میں تھے قتل کر ڈالا' تو پھر یہ کوشش شروع ہوئی کہ ملک کے اندر جہاں جہاں بنوامیہ نظر آئیں فنا کر دیئے جائیں۔ چنانچہ ان پر ایک تباہی و بربادی نازل ہوئی اور صرف چند آدمی بچ سکے جن میں قابل ذکر صرف ایک شخص عبدالرحمن ابن معاویہ ابن ہشام جو اسپین بھاگ گیا اور وہاں اس نے اتنی زبردست سلطنت قائم کی کہ بنو عباس نے ہمیشہ اس پر رشک کیا۔

عبداللہ ابن علی کی شکست

جب منصور بنوامیہ کی طرف سے مطمئن ہو گیا تو ابومسلم دوسرے دعویدار خلافت کی طرف متوجہ ہوا۔ ان میں سب سے زیادہ خطرناک عبداللہ ابن علی تھے' چنانچہ ابومسلم نے ان کو بھی گرفتار کیا اور قتل کرا دیا۔ اس کے بعد منصور کے لئے زیادہ نازک وقت آیا' کیونکہ ایک گروہ اولاد حسنؓ کا بھی دعوے دار خلافت تھا اور اسی خاندان سے ابومسلم کا بھی تعلق تھا۔ منصور' سفاح کے زمانہ سے ابومسلم کی طرف سے خائف تھا اور سمجھتا تھا کہ اس شخص کا کسی وقت منحرف ہو جانا بعید نہیں اور پھر اس کی مخالفت ایسی معمولی بات نہیں' جس کا

آسانی سے ہو سکے اس لئے جب عبداللہ ابن علی کو ابومسلم کے ذریعہ سے ضعیف و کمزور کر چکا تو منصور نے ابومسلم کو طلب کیا۔

ابومسلم کا قتل

ابومسلم نے پہلے خلیفہ کے پاس حاضر ہونے کو مناسب نہیں سمجھا اور پس و پیش کیا، لیکن جب منصور نے مختلف طریقوں سے اس کو اطمینان دلایا تو وہ دربار میں حاضر ہوا اور منصور نے اپنے پاس بٹھا کر باتیں شروع کیں۔ اثنائے گفتگو میں منصور نے اس کی شکایتیں شروع کیں اور رفتہ رفتہ زجر و توبیخ تک نوبت پہنچ گئی۔ اشارہ پہلے ہی سے مقرر تھا، چند مسلح آدمی جو چھپے ہوئے تھے نکل آئے اور ابومسلم کو قتل کر ڈالا۔ منصور نے اس کی لاش کو وہیں چھپا دیا اور اپنے بعض وزراء کو بلا کر ان سے مشورہ کیا کہ ابومسلم کے قتل کے بارہ میں ان کی کیا رائے ہے ایک نے اس کے قتل کو ضروری ظاہر کیا۔ یہ سنکر منصور نے فرش کی طرف اشارہ کیا، جب اس نے ابومسلم کی لاش اس کے اندر دیکھی تو بولا کہ "صحیح معنے میں آج پہلا دن امیرالمومنین کی خلافت کا ہے" [۱]

ابومسلم کے قتل سے منصور سخت خطرہ میں پڑ گیا، کیونکہ جب خراسان والوں کو یہ حال معلوم ہوا تو ایک بڑا گروہ منصور کی مخالفت پر آمادہ ہو گیا اور اگر معن بن زائدہ منصور کا معاون نہ ہوتا تو یقیناً وہ قتل کر دیا جاتا۔ لیکن معن نے انتہائے

---

[۱] مسعودی ۱ - ۱۹۷

جرأت سے کام لے کر ان لوگوں کا مقابلہ کیا اور ایک ایک کو چن چن کر تہ تیغ کر دیا۔

محمد عبداللہ اور علویین کا قتل

جب وہ اس طرف سے مطمئن ہو گیا تو پھر اس نے محمد ابن عبداللہ کو بھی جو علویین میں تنہا دعویدار خلافت رہ گئے تھے، گرفتار کرا کے قتل کرا دیا اور اس طرح شیعیان علیؑ کی طرف سے بالکل مطمئن ہو گیا، تاہم وہ خود اپنے خاندان والوں کی طرف سے ابھی مطمئن نہ تھا۔

عبداللہ ابن علیؑ کا قتل

کیونکہ اس کا چچا عبداللہ ابن علی جسے ابومسلم ایک بار شکست دے چکا تھا۔ ہنوز زندہ تھا۔ منصور نے عبداللہ کے پاس پروانہ معافی بھیجا اور جب یہ دربار میں آیا تو اُسے معہ دونوں بیٹوں کے مقید کر لیا۔ اسی زمانہ منصور کو معلوم ہوا کہ اس کا چچا زاد بھائی عیسیٰ ابن موسیٰ جو کوفہ کا گورنر تھا بغاوت پر آمادہ ہے۔ منصور نے اس کو حد درجہ اظہار محبت و خلوص کے ساتھ طلب کیا اور بولا "میں تم سے ایک بات کہنا چاہتا ہوں اور تمہاری مدد طلب کرتا ہوں۔ ہمارا تمہارا چچا عبداللہ میرا مخالف ہے اور تخت و تاج کی حفاظت کا اقتضا یہ ہے کہ وہ فنا کر دیا جائے، اس لئے تم اسے لے جاؤ اور چپکے سے قتل کر ڈالو۔"

عیسیٰ راضی ہوگیا اور عبداللہ کو لے کر کوفہ روانہ ہوگیا، منصور کا خیال تھا کہ جب عیسیٰ عبداللہ کو قتل کر ڈالے گا تو اس کے ورثا خون کا دعویٰ کریں گے پھر میں عیسیٰ کو اُن کے حوالہ کر دوں گا اور اس طرح دونوں کا خاتمہ ہو جائے گا، اس طرف چونکہ عیسیٰ کے دل میں بھی شک تھا، اس لئے اس نے اپنے احباب سے مشورہ کیا، انھوں نے اس کو قتل سے باز رکھا اور بجائے ہلاک کر دینے کے مقید رکھنے کا مشورہ دیا۔ تھوڑے دنوں کے بعد منصور نے عیسیٰ کو لکھا کہ عبداللہ کہاں ہے، یہ سمجھتا تھا کہ اُس نے قتل کر ڈالا ہوگا، لیکن منصور کو سخت ندامت ہوئی، جب عیسیٰ نے عبداللہ کو زندہ واپس کر دیا۔ اس کے بعد منصور نے عبداللہ کو خود قتل کرا دیا[۵۱]۔ یہ اور اسی قسم کی بہت سی مثالیں ہیں جن سے منصور کی عہد شکنی ثابت ہوتی ہے۔

منصور کی عہد شکنی

چنانچہ ایک مشہور واقعہ ابن ہبیرہ کا ہے جو واسط میں بنو امیہ کی طرف سے گورنر مقرر تھا۔ جب سفاح کے لئے اعلانِ خلافت کیا گیا تو منصور، ابن ہبیرہ کے مقابلہ میں روانہ کیا گیا، لیکن آپس میں مصالحت ہوگئی، اور ابن ہبیرہ کو منصور نے پروانۂ معافی دیا۔ کہا جاتا ہے کہ ابن ہبیرہ نے چالیس راتیں اس پروانہ کے مطالعہ میں صرف کر دیں اور دیگر ماہرین سے بھی

---

[۵۱] اثیر د۔ ۲۵۷

رائے لی، جب اُسے پروانہ کی صحت کا یقین ہو گیا، تو اُس نے منصور کے پاس وہ پروانہ واپس کیا اور منصور نے سفاح کو دیا کہ اس کی تصدیق کر دے۔ لیکن ابو مسلم خراسانی نے سفاح سے کہا کہ "ہموار سڑک میں ایک پتھر بھی پڑا ہو، تو بُرا معلوم ہوتا ہے، اس لئے ابن ہبیرہ کو قتل کر دینا چاہئے" جب ابن ہبیرہ کو یہ حال معلوم ہوا تو وہ منصور کے پاس آیا کہ اپنے عہد کو پورا کیجئے۔ لیکن منصور نے عہد شکنی کی اور اس کو قتل کر دیا[1]

ان باتوں سے منصور سخت بدنام ہو گیا تھا، اور اس کا اعتبار بالکل اُٹھ گیا تھا۔ جب محمد ابن عبداللہ نے مدینہ میں اپنی خلافت کے لئے کوششیں شروع کیں، تو منصور ڈرا اور ایک پروانۂ امن و حفاظت اُن کے پاس بھیج کر وعدہ کیا کہ اُن سے نہایت اچھا سلوک کیا جائے گا۔ محمد نے اس کے جواب میں لکھ بھیجا کہ

"یہ کس قسم کا پروانہ ہے، آیا اس قسم کا ہے جو تم نے ابن ہبیرہ یا اپنے چچا عبداللہ کو دیا تھا، یا اس نوع کا ہے جو ابو مسلم کے سامنے پیش کیا گیا تھا۔"[2]

عہد شکنی بنو عباس کی خصوصیت تھی

پھر عہد شکنی صرف منصور ہی کی خصوصیت نہ تھی۔ بلکہ قریب قریب تمام

---

[1] خلدون ۳ - ۲۶۹ [2] اثیر - ۵ - ۲۵۴

خلفائے بنو عباس بدنام تھے کہ یہ لوگ اپنے محسنوں کو ہمیشہ ایسی ہی سزا دیتے ہیں اور اپنے خیر خواہوں کے آخر میں دشمن ہو جاتے ہیں۔

چنانچہ جب امین کے خلاف مامون کی فوج بڑھی اور طاہر ابن حسین نے جو فوج کا سردار تھا امین اور اس کی تمام آرزوؤں کو ختم کر دینے کا ارادہ کیا تو امین نے طاہر کو لکھا۔

"کیا تمہیں معلوم ہے کہ میرے خاندان میں شروع سے یہ رسم چلی آتی ہے کہ جو کوئی مدد کرتا ہے، اُس کے احسان کا اعتراف تلوار سے کیا جاتا ہے، اس لئے تم بھی عہد کرو کہ مامون کا ساتھ دیکر تمہیں کیا ملے گا"

تاریخ شاہد ہے کہ امین کی یہ پیشنگوئی حرف بہ حرف صحیح نکلی، جب طاہر سے کام نکل گیا تو مامون نے کسی نہ کسی بہانہ سے اُسے قتل کر دینا چاہا (بالکل اسی طرح جس طرح منصور نے ابو مسلم کے ساتھ کیا تھا) اور آخر کار طاہر کو ایک غلام عنایت کیا، جس نے مامون کے حکم سے طاہر[۱] کو زہر دے دیا۔

عجمیوں کا درخور

بنو عباس کے عہد میں عجمیوں کے زیادہ درخور حاصل ہو جانے کی وجہ یہی تھی کہ بنو عباس ملک کے اندر اپنا اعتماد بالکل کھو چکے تھے اور انہیں ضرورت تھی کہ اپنے لئے کوئی دوسرا حلقہ اثر قائم کریں، اس کے لئے انہوں نے ایرانیوں

---

[۱] خلکان - ۱ - ۲۳۰

کو منتخب کیا۔ اس مسئلہ کو سمجھنے کے لئے کہ ایرانیوں کو دربار خلافت میں کس طرح رسوخ حاصل ہوا، ضروری معلوم ہوتا ہے کہ قبل اسلام جو ایرانیوں کی حالت تھی پہلے وہ ذہن نشین کر لی جائے۔

سلطنت ایران زمانۂ قدیم سے ایک زبردست سلطنت سمجھی جاتی تھی اور باعتبار تہذیب و تمدن نسبتاً بہت ترقی یافتہ حالت میں تھی، ان کے ہاں مختلف فنون و علوم کی کتابیں موجود تھیں، قوانین منضبط ہو چکے تھے اور عام طور سے ملک میں ہوشمندی و بیداری کے آثار نمایاں تھے۔

سلطنت فارس میں بہت سی عرب قومیں بھی سرحد ایران پر عراق وغیرہ میں رہتی تھیں۔ ان قوموں پر مقامی سردار جن کو مناذرۂ حیرہ کہتے تھے، حکمران تھے، لیکن ان سرداروں کا تعلق براہ راست سلطنت ایران سے تھا۔

اعراب و اہل فارس کا تعلق

چونکہ اعراب و اہل فارس کے درمیان زمانۂ قدیم سے باہمی تعلق چلا آتا تھا۔ اس لئے دونوں قومیں ایک دوسرے سے غیر مانوس نہ تھیں اور جس طرح ایرانیوں میں عربی زبان حاصل کرنے کا رواج تھا اسی طرح اعراب بھی بحیثیت ترجمان وغیرہ ہونے کے دربار اکاسرہ میں درخور رکھتے تھے۔

عرب کے ان خاندانوں سے جن کا تعلق دربار ایران سے تھا، سب سے زیادہ مشہور خاندان عادی ابن زید کا تھا، جس کا تعلق خاندان مضر سے تھا، اس خاندان

کا سلطنت ایران میں زیادہ رسوخ حاصل کر لینا صرف اس وجہ سے تھا کہ اس وقت اعراب میں یہی ایک ایسا خاندان تھا جو لکھنے پڑھنے سے اچھی طرح واقف تھا

حماز ابن زید ابن ایوب' عادی کا دادا حیرہ میں دربار نعمان کا محرر تھا اور ایرانیوں سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا جب اس کا بیٹا یزید پیدا ہوا تو اس کو ایک ایرانی کے سپرد کر دیا' اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ فارسی اور عربی دونوں زبانوں میں ماہر ہو گیا اور رفتہ رفتہ کسریٰ کا بڑا زبردست مشیر ہو گیا۔

عادی کا عروج

جب عادی پیدا ہوا تو اس کے باپ زید نے ایرانی امرازادوں کی طرح اس کو تعلیم دلائی اور کسریٰ نے اُسے بھی مداین کا سفیر مقرر کر دیا۔ اس نے اپنی قابلیت سے اس قدر عزت حاصل کی کہ خود کسریٰ اس سے ملنے کو آتا تھا' اور جب کبھی ایران و عرب کے درمیان تعلقات میں کشیدگی پیدا ہو جاتی تھی تو اسی کے ذریعہ سے فیصلہ کیا جاتا تھا۔

جب حیرہ کا بادشاہ مرا تو کسریٰ نے جدید بادشاہ کے مسئلہ تقرر میں عادی سے مشورہ کیا' یہ دیکھ کر حیرہ کے لوگ جو منیٰ تھے جل گئے۔

عادی کا قتل اور زید کی تقرری

اور جھوٹی شکائتیں کر کے عادی کو قتل کرا دیا۔ عادی کے بعد اس کا بیٹا

زید سفیر مقرر کیا گیا۔ اب یہی خدمت سفارت انجام دیتا تھا اور یہی حیرہ کا خراج وصول کر کے ایران بھیجا کرتا تھا۔ ؎۵

جب ظہور اسلام ہوا تو اکاسرہ کا تخت و تاج اعراب کے قبضے میں آگیا اور اس طرح ایرانی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ لیکن چونکہ بنو امیہ کے زمانہ میں ان لوگوں پر کچھ کم مظالم نہ ہوئے تھے، اس لئے جب بنو عباس کا ظہور ہوا تو ایران والوں نے اسے غنیمت سمجھا۔

ایران کی اعانت بنو امیہ کے خلاف

اور بنو امیہ کی قوت کو درہم برہم دیکھنے کے لئے جس قدر ان کے امکان میں تھا، بنو عباس کی مدد کی۔

اول اول جب بنو عباس کے ہاتھ میں سلطنت آئی، تو انہوں نے اپنا دار الامارہ کوفہ مقرر کیا۔ پھر ہاشمیہ اور سب سے آخر میں بغداد جسے منصور نے دریائے دجلہ کے ساحل پر تعمیر کرایا تھا اور اسی کے ساتھ ان ایرانی النسل لوگوں کی زیادہ قدر شروع کی جو خراسان میں ابو مسلم کے ساتھ بنو عباس کی طرف سے لڑے تھے۔

؎۵ آفاقی - ۲ - ۲۰

خالد برمکی کا عروج

ان میں خصوصیت کے ساتھ خالد ابن برمک قابل ذکر' یہ شخص ابومسلم کی فوج کا ایک افسر تھا' اور بہت سی لڑائیوں میں اپنی شجاعت و بہادری ثابت کر چکا تھا' خالد کا باپ برمک آتشکدۂ نوبہار کا مُغ تھا' اور اس لئے یہ دونوں باپ بیٹے فارسیوں میں کافی شہرت رکھتے تھے۔ خالد مسلمان ہوکر ابومسلم کی فوج میں ملازم ہوگیا تھا' جہاں اس نے اپنے قوت بازو سے ایسی ترقی حاصل کی کہ سفاح نے اپنا وزیر بنا لیا' اور منصور نے بھی اس کو اسی عہدہ پر بحال رکھا" اس خاندان میں وزارت جعفر برمکی تک قائم رہی۔

بنو عباس کے زمانہ میں علاوہ اہل برمک کے دیگر غیر اعراب اقوام کو بھی سلطنت کے انتظام و انصرام میں بہت درخور حاصل ہوگیا۔

موالی کی ترقی

منصور پہلا بادشاہ تھا' جس نے موالی اور غلاموں کے ہاتھ میں انتظام دیا اور اعراب پر انہیں حکومت کرنے کا موقع دیا۔ جب منصور مرنے لگا تو اُس اپنی جائداد کا ایک ثلث اپنے موالی کو دے دیا اور اپنے بیٹے مہدی کو وصیت کر گیا کہ "اپنے موالی کا خاص لحاظ رکھنا اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنا' کیونکہ سخت وقت

میں یہی لوگ ساتھ دینے والے ہیں، اور اہل خراسان کی بہت رعایت کرنا، کیونکہ
انہوں نے ہماری مدد میں اپنی جانیں تک ضائع کی ہیں، اگر اُن سے کوئی غلطی سرزد
ہو تو معاف کرنا اور اگر کوئی مرجائے تو اُس کے خاندان کی پرورش کو اپنا فرض سمجھنا۔

اہل خراسان کا اقتدار دربار میں

(ایرانی اسٹائل)

چونکہ اہل خراسان نے بنو عباس کے سلطنت قائم کرنے میں بہت بڑی مدد کی تھی، اس لئے فطرت انسانی کا تقاضا تھا کہ بنو عباس ان کی رعایت کرتے، اور اس رعایت کا نتیجہ یہی ہونا چاہیے تھا کہ انہیں معاملات سلطنت میں زیادہ درخور حاصل ہو جائے، چنانچہ جب اعراب آتے تھے تو وہ یہ دیکھ کر متحیر رہ جاتے تھے کہ سارے دربار پر خراسانیوں کا قبضہ ہے اور جدھر دیکھو یہی لوگ نظر آتے ہیں، حالانکہ اعراب کو مشکل سے اندر جانے کی اجازت ملتی تھی۔ چنانچہ شاعر ابونخیلہ کی ایک حکایت مشہور ہے کہ جب وہ منصور کے پاس گیا تو اس کو اجازت باریابی عطا نہیں ہوئی، جب وہ واپس آیا تو اُس کے احباب نے پوچھا کہ تم نے وہاں کیا دیکھا تو اس نے جواب میں چند اشعار پڑھے۔ جن کا مفہوم یہ ہے کہ

"وہاں تمہیں ایسے لوگوں کی جماعت نظر آئے گی، جن کے متعلق تمہیں معلوم نہیں ہو سکتا کہ وہ کس ملک اور کس قوم کے ہیں، وہ بڑی بڑی عبائیں استعمال کرتے ہیں، اور اُن کی ٹوپیاں بہت قیمتی ہیں، معلوم نہیں ان غلامان غلام کے لئے خزانہ میں کہاں سے روپیہ آتا ہے"[1]

[1] اغانی ۱۸ - ۱۴۸

جب مہدی، منصور کا بیٹا تخت نشین ہوا تو اُس نے بھی اپنے باپ کی تقلید کی اور ہمیشہ معاملات سلطنت میں پہلے موالی کی رائے طلب کی[1] غرض ان کو بنو عباس کے عہد میں اس قدر عروج حاصل ہو گیا کہ وزارت، گورنری، سپہ سالاری، کتابت وغیرہ تمام عہدے ایرانیوں کے پاس تھے، جن میں خصوصیت کے ساتھ خاندانِ برمک کی ترقی کی کوئی انتہا نہ رہ گئی تھی، عزل و نصب، تغیر و تبدل، سب وزرار کے ہات میں تھا اور بڑے بڑے عہدے عجمیوں کو دیئے جاتے تھے، جب مامون کے بعد ایرانیوں کو زوال آیا تو دربار میں ترکوں کا اقتدار بڑھا اس وقت بھی خاص خاص عہدے انہیں کے ہات میں رہے، اور خلفائے بنی عباس نے ان پر اعتماد کرنا ترک نہیں کیا۔

غیر مسلم اقوام کی ترقی

جب انتظام سلطنت میں ایرانیوں کو زیادہ رسوخ حاصل ہوا تو انہیں عراق و شام کی غیر مسلم قوتوں کی اعانت کی ضرورت ہوئی۔ کیونکہ یہ لوگ حساب وکتاب اور دفاتر کے انتظام سے واقف تھے، اس ضرورت کی بنا پر ان لوگوں کو انعام و اکرام کی امید دلائی گئی اور اس طرح تہذیب دفاتر وغیرہ میں ان کی خدمات سے فائدہ اٹھایا گیا۔ رفتہ رفتہ ان لوگوں نے اس قدر ترقی حاصل کر لی کہ خزانچی کی خدمت پر اکثر یہودی نظر آتے تھے

---

[1] عقد - ۱ - ۲۵

اور خدمت کتابت پر بہت سے عیسائی مامور تھے۔ علاوہ اس کے عیسائیوں کو فوجی صیغے میں بھی بڑی اہم خدمتیں سپرد کی گئیں چنانچہ خلیفہ المعتضد کے زمانہ میں ایک عیسائی ملک ابن الولید صیغہ فوج کا سر دفتر تھا اور اسی عہدہ پر دوسرا عیسائی اسرائیل کو بعد میں مامور کیا گیا خلیفۃ المتقی کے عہد میں ابو العلاء صاعد ابن ثابت عیسائی وزارت کے عہدہ پر ممتاز تھا۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بنو عباس کے عہد میں غیر اعراب اقوام کے ساتھ مساویانہ سلوک کرنے کا رواج قائم ہوا اور اس کو یہاں تک ترقی ہوئی کہ مصر میں فاطمی خاندان کو بھی بنو عباس کی تقلید کرنی پڑی۔ چنانچہ فاطمی بادشاہ العزیز باللہ کا ایک وزیر عیسیٰ ابن انسطور عیسائی تھا اور دوسرا یہودی علاوہ ان کے حاکم بامر اللہ کے عہد میں فہد ابن ابراہیم کا اتنا زبردست اقتدار قائم تھا کہ سارا آئین سلطنت و حکومت اسی کے ہاتھ میں تھا اور بہت سے چھوٹے بڑے عہدوں پر عیسائی اور یہودی دیکھے جاتے تھے۔

بنو عباس کے عہد میں عیسائیوں کو اس وقت تک عروج رہا جب تک خود انہوں نے اپنے طرز عمل سے اپنے سر مصیبتیں نہیں لیں۔ بنو عباس میں ہارون اور خلیفہ متوکل نے عیسائیوں کے ساتھ بہت سختی کی لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ انہوں نے حکومت کے خلاف سازشیں شروع کر دی تھیں، اور ان کے کلیسا ان سازشوں کے مرکز تھے اسی لئے مجبوراً عیسائیوں کے لئے ایک لباس مخصوص کر دیا گیا تھا تاکہ وہ الگ پہچانے جا سکیں اور مسلمانوں کے ساتھ مل کر سازشیں نہ کر سکیں۔ اسی طرح جب فاطمی سلطنت میں عیسائیوں کو اقتدار حاصل ہوا تو انہوں نے بازنطائن حکومت سے مل کر مسلمانوں پر حملہ کرا دیا اور

؎ ابن اثیر ۹-۳۲

اور بہت سی مسجدیں شہید کر ڈالیں، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حاکم کے عہد میں ان کا زوال شروع ہو گیا اور عیسائیوں کے بہت سے کلیسا مسجدوں کے عوض میں مسمار کئے گئے یہی وہ خلش تھی جس نے بڑھتے بڑھتے حروب صلیبیہ کی بنیاد ڈالی اور عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان ایک زبردست دیوار مخالفت قائم کر دی۔

عیسائیوں کی باہمی مخالفت

علاوہ اس کے بنو عباس میں ان پر زوال آنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی۔ کہ خود اُن کے درمیان نفاق پیدا ہو گیا تھا اور ایک دوسرے کا دشمن ہو گیا تھا۔ عراق میں نسطوری اور یعقوبی عیسائیوں کے درمیان سخت مخالفت تھی اور ان میں سے جس کو موقع مل جاتا تھا۔ دوسرے کو ایذا پہنچانے میں کمی نہ کرتا تھا جب عیسیٰ ابن شہلا طبیب دربار مقرر ہوا تو اس نے اپنے مخالف کو لکھا کہ

"اپنے کلیساؤں کے قیمتی برتن میرے پاس بھیجدو ورنہ تم جانتے ہو کہ بادشاہ میرے ہاتھ میں ہے"

ان لوگوں نے یہ تحریر خلیفہ تک پہنچا دی اور عیسیٰ کو سزا دی گئی۔

اسی طرح جب حنین ابن اسحاق مترجم مقرر ہوا تو بختیشوع بن جبرائیل طبیب دربار جو مخالف گروہ کا تھا۔ بیت برہم ہوا اور اس نے حنین کو ذلیل کرانے کی فکریں شروع کیں۔ چنانچہ اس نے ایک بت مریم و عیسیٰ کا تیار کیا اور اپنے ایک خاص آدمی کے ذریعہ سے خلیفہ متوکل کے سامنے پیش کرایا اور خود بھی پہنچ گیا بُت کو دیکھتے ہی اُس نے آدمی کے ہاتھ سے لے لیا اور خلیفہ کے سامنے اس کو بوسہ

دینے لگا، خلیفہ نے دریافت کیا: کیا مریم کے بُت کو بوسہ دینے کا رواج عام عیسائیوں میں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "جتنے سچے عیسائی ہیں .. سب ہی کرتے ہیں، لیکن امیرالمومنین کے دربار میں ایک عیسائی ایسا بھی ہے جو سخت ملحد و بے دین ہے۔ .. اپنے آپ کو عیسائی کہتا ہے، لیکن حقیقتاً اس کا کوئی مذہب نہیں ہے" خلیفہ نے پوچھا: وہ کون ہے؟ اس نے حنین کا نام لیا خلیفہ نے یہ سُنکر حکم دیا کہ حنین بُلایا جائے، لیکن بختشوع نے کہا کہ "امیرالمومنین میرے چلے جانے کے بعد اس کو طلب کریں" چنانچہ یہ سیدھا دربار سے نکل کر حنین کے پاس گیا، اور کہا خلیفہ کے سامنے ایک بُت مریم و مسیح کا پیش کیا گیا ہے جو اس قابل ہے کہ کلیسا میں رکھا جائے، لیکن میں نے اس کی بہت برائی کی اور اس پر تھوک بھی دیا تاکہ خلیفہ اس کی کوئی قدر نہ کرے اور واپس دیدے، اس لئے اگر تم جانا تو تم بھی یہی کرنا" حنین نے اس کو صحیح باور کیا اور جب خلیفہ نے طلب کیا تو اس نے وہی کیا جو اس کو مشورہ دیا گیا تھا، خلیفہ اس کا یہ طرز عمل دیکھکر بہت برہم ہوا اور قید کر دیا"

اس واقعہ سے نہ صرف یہ ثابت ہوتا ہے کہ عیسائیوں میں باہم تفریق و انشقاق پیدا ہو گیا تھا بلکہ اس سے خلفائے بنو عباس کی بے تعصبی اور دوسرے مذاہب کے احترام کا خیال بھی پیدا ہوتا ہے۔

خلیفہ متوکل یا کوئی خلیفہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ جبر و اکراہ سے کسی کو مسلمان بنایا جائے، لیکن وہ یہ ضرور چاہتے تھے کہ ہر شخص اپنے مذہب پر مستحکم ہو۔

عیسائیوں کے ساتھ رواداری

عہد بنی عباس میں عیسائیوں کے ساتھ اس قدر رواداری برتی جاتی تھی کہ مسلمان عام طور سے ان کی تقریبات میں شریک ہوتے تھے، اور ان کی تمام تفریحات میں حصہ لیتے تھے۔[1] یہ رواج صرف شام و عراق ہی میں نہ تھا بلکہ مصر میں بھی یہ اتحاد دیکھا جاتا تھا۔ مصری خلفاء ان کے مذہبی تقریبات کے موقع پر انہیں انعام دیتے تھے اور تمام مسلمان ان کے مجالس نشاط میں شریک ہوتے تھے۔ بیمارخانوں میں بھی مسلم و عیسائی دونوں کے ساتھ برابر کا سلوک کیا جاتا تھا، بنو عباس کے عہد میں مذہبی آزادی سب کو پوری طرح حاصل تھی اور کسی شخص کو اسلام قبول کرنے کے لئے مجبور نہ کیا جاتا تھا۔ عہد بنی عباس میں مامون کا عہد خصوصیت کے ساتھ اس لحاظ سے بہت مشہور ہے۔ یہ مختلف مذاہب کے علماء کو جمع کرکے مجالس مناظرہ قائم کیا کرتا تھا۔ اور خود بھی اس میں نہایت دلچسپی لیتا تھا۔ وہ خود معتزلی تھا لیکن اس کے دربار میں حنفی، شیعی، خارجی سبھی تھے، اور ہر شخص اپنے مذہبی عقائد کے لحاظ سے بالکل آزاد و خود مختار تھا۔ خلق قرآن کا مسئلہ اسی کے عہد میں پیدا کیا گیا اور کافی حد تک اس کو ترقی ہوئی۔ ہر چند مامون کے بعد مذہب کے متعلق اس قدر آزادی رفتہ رفتہ کم ہوگئی اور اس نوع کی علمی مجالس بند ہوگئیں۔ لیکن [redacted] خیال جو ایک دفعہ ملک کے اندر پھیل گیا تھا۔

---

[1] اثیر ۸ - ۱۱۳ الفرج ۲ - ۱۵۶

اور جس نے مذہب اسلام میں علم کلام کی بنیاد ڈالی۔ آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہی گیا اور آخر کار فرقہ معتزلہ کی ایک مستقل جماعت قائم ہوگئی۔ جن کی بہت سی تصانیف آج بھی ہم کو نظر آتی ہیں۔

عہد بنو عباس میں اعراب کی حریت

خلیفہ منصور اعراب کی خصوصیات سے واقف تھا اور وہ سمجھتا تھا کہ اگر اس قوم میں اتفاق پیدا ہو جائے گا تو بڑے خطرناک ثابت ہوں گے، وہ جانتا تھا کہ جرات و آزادی ان کی فطری عادت ہے۔ اور جس طرح وہ خود انصاف پسند ہیں، اسی طرح غیر منصفانہ طرز عمل پر نکتہ چینی کے لئے بھی ہر وقت آمادہ رہتے ہیں، چونکہ اس نے نہایت مکر و فریب سے سلطنت حاصل کی تھی، اس لئے وہ ان کی طرف سے ڈرتا ہی رہتا تھا، کہ خدا جانے کس وقت وہ انتقام لینے کیلئے تیار ہو جائیں۔

ایک بار منصور کعبہ کا طواف کر رہا تھا کہ اس نے ایک شخص کو دعا مانگتے دیکھا کہ "اے خدا میں تیرے سامنے شکایت لاتا ہوں اس ناانصافی اور بداخلاقی کی جو زمین پر پھیلی ہوئی ہے، اور اس طمع کی جو حق اور حقداروں کے درمیان حائل ہے" منصور یہ سُنکر مسجد کے ایک کونہ میں چلا گیا اور اس کو بلا کر پوچھا کہ اس دعا سے تمہارا کیا مطلب تھا؟ اس نے منصور کو پہچان لیا اور بولا کہ "وہ ذات تیری ہی ہے جو حق اور حق دار کے درمیان حائل ہے"۔ منصور نے پوچھا "میں کیونکر طامع ہو سکتا ہوں، جبکہ سلطنت کا سارا سونا

چاندی اور ہر تلخ و شیریں چیز میرے قبضے میں ہے" اس نے جواب دیا "خدا نے مسلمانوں اور ان کے اسباب کو تیرے سپرد کیا ہے اور تو نے اپنے اور ان کے درمیان اینٹ پتھر کی دیوار قائم کر لی ہے، آہنی دروازے لگائے ہیں، اور ایک مسلح فوج متعین کر دی ہے، تاکہ ننگے بھوکے، غریب، کمزور، مظلوم، حقیر لوگ تجھ تک نہ پہنچ سکیں۔" یہ سنکر منصور خائف ہوا اور اس نے ارادہ کیا کہ کسی طرح اعراب کی قوت کو توڑنا چاہیے۔

اعراب کی قوت کو کمزور کرنا

جب منصور، علویین اور خوارج کی طرف سے مطمئن ہو کر بیٹھا اور بغداد کی تعمیر ختم ہو کر قلعہ بندیوں سے فراغت حاصل ہوئی تو اس نے دیکھا کہ فوج میں کن کن قبائل کے لوگ شامل ہیں۔ معلوم ہوا کہ قحطانی، عدنانی اور خراسانی تینوں گروہ کے لوگ مخلوط ہیں۔ اتفاقاً ۱۵۱ھ میں ایک دستہ نے بغاوت بھی کی اور اس لئے اس کی فکریں اور بڑھ گئیں کہ اگر پھر ایسا ہوا تو انتظام درہم برہم ہو جائے گا، اور جس وقت فوج چاہے گی، خلیفہ کو تخت سے اتار دیا کرے گی۔ منصور نے قثم بن العباس بن عبیداللہ بن عباس کو جو اس زمانہ میں خاندان بنی عباس کا بڑا ذی اثر شخص تھا، طلب کیا، اور اس سے مشورہ کیا۔ اس نے کہا کہ میں نے ایک تدبیر سوچی ہے۔ لیکن ابھی بتاؤں گا نہیں، خلیفہ نے اس کو اجازت دی کہ اس تدبیر پر کاربند ہو، یہ گھر آیا اور اپنے غلام سے کہا کہ کل تو قصر شاہی جا اور جب تو مجھے بڑے بڑے امراء کے پاس سے گزرتے ہوئے دیکھے تو اٹھ کر میرے خچر کی لگام پکڑ لینا اور مجھے خدا و رسول حضرت عباس اور امیر المومنین کی قسم دے کر مجبور کرنا کہ ایک سوال کا جواب دیدیجئے

میں اگر تجھے بُرا بھلا کہوں یا ماروں تو کچھ پرواہ نہ کرنا اور مجھ سے یہ سوال کرنا کہ قحطانیوں اور عدنانیوں میں سے کون بہتر ہے۔ جب میں جواب دے چکوں تو میرے خچر کو چھوڑ دینا اسی وقت سے تو آزاد ہے" دوسرے دن یہی ہوا اور ابن عباس نے اس سوال کے جواب میں کہا کہ عدنانی زیادہ شریف ہیں۔ کیونکہ انہیں میں رسولؐ پیدا ہوا اور انہیں میں خلیفہ وقت بھی ہے۔" یہ سُنکر قحطانی جماعت کے لوگ برہم ہوئے اور ایک غلام کو حکم دیا کہ ابن عباس کے خچر کو واپس لائیں۔ جب عدنانیوں نے دیکھا کہ ان کے شیخ کے ساتھ بُرا سلوک کیا جا رہا ہے۔ تو وہ بھی بگڑ بیٹھے اور ابن عباس نے منصور کے پاس آکر کہا کہ آپ قحطانیوں عدنانیوں اور خراسانیوں کی الگ الگ فوج قائم کیجئے۔ تاکہ ایک کو دوسرے سے کوئی واسطہ نہ رہے پھر ان میں سے کوئی بغاوت نہ کر سکے گا۔ کیونکہ اس کو دوسری فوج کا ڈر رہیگا جب منصور کا بیٹا مہدی خراسان سے بغداد آیا تو منصور نے حکم دیا کہ

"وہ دجلہ کے دوسرے ہی ساحل پر قیام کرے اور وہیں ایک فوج بھی اس کے ساتھ رہے تاکہ اس طرح بغداد کے دو حصے ہو جائیں اور ضرورت کے وقت ایک حصہ دوسرے کی مدد کر سکے۔"

الغرض منصور کی پالیسی یہی تھی کہ عربوں کی قوت کو گھٹایا جائے اور اس میں وہ بڑی حد تک کامیاب ہوا۔

عہد رشید میں اعراب اور ایرانیوں کی تفریق

ہارون کے عہد میں سلطنت دو زبردست عنصروں میں منقسم تھی ایک عنصر

اعراب کا تھا اور دوسرا ایرانیوں کا' اور یہ دونوں گروہ ہارون کے دونوں بیٹوں (امین و مامون) کو ہر وقت گھیرے رہتے تھے۔ امین کی ماں' زبیدہ ایک ہاشمی خاتون تھی۔ اور مامون ایک ایرانی کنیز کے بطن سے تھا۔ اس لئے اہل عرب امین کے طرفدار تھے' اور ایرانی مامون کے' علاوہ اس کے چونکہ مامون کی تربیت بھی برمکی خاندان میں ہوئی تھی' اس لئے یہ لوگ ہارون کے بعد اسی کو خلیفہ دیکھنا چاہتے تھے' اور مامون بھی ان لوگوں سے مانوس تھا۔ فضل بن ربیع پہلے ہی سے آل برمک سے جلتا تھا' کیونکہ اس کے حقوق وزارت ان ہی لوگوں کی وجہ سے لے لیے گئے تھے اس لئے وہ امین کی خلافت کا آرزومند تھا۔

جب ہارون کا انتقال ہوا تو مامون اپنی ماں کے رشتہ داروں کے ساتھ خراسان میں تھا' اور امین بغداد میں اپنے طرفداروں کے درمیان موجود تھا اس لئے دونوں بھائیوں میں خلافت کے لئے جنگ شروع ہو گئی۔ لیکن یہ جنگ امین و مامون کی جنگ نہ تھی۔ بلکہ حقیقتاً اہل فارس اور اہل عرب کی جنگ تھی' لیکن چونکہ عربوں کی افواج میں پہلے ہی سے تفرقہ قائم کی جا چکی تھی۔ اور وہ دار الامارۃ میں رہنے کی وجہ سے عیش و آرام کی عادی ہو چکی تھی اس لئے مامون کی فوج کا مقابلہ نہ کر سکی اور آخر کار خلافت امین سے منتقل ہو کر مامون کے پاس آگئی۔ پھر چونکہ مامون کو اہل خراسان ہی کی وجہ سے کامیابی ہوئی تھی اور عربوں نے اس کی مخالفت کی تھی۔ اس لئے اس کے عہد میں خراسانیوں اور ایرانیوں کا عروج حاصل کرنا اور عربوں کا گر جانا بالکل قدرتی بات تھی۔

اس کے بعد جب ۲۱۸ھ میں خلافت معتصم کے پاس گئی تو اس نے ترکوں کی فوج مرتب کر کے عربوں کی قوت کو ہمیشہ کے لئے[1] ضعیف کر دیا اور اس طرح سارا انتظام سلطنت ایرانیوں کے ہاتھ میں منتقل ہو گیا۔

---

[1] ابن اثیر ۵-۲۶۵

چونکہ حکومت میں عربوں کی قوت بالکل ضعیف ہوگئی تھی اور ان کی توہین و تذلیل بنظر استحسان دیکھی جاتی تھی۔ اس لئے زمانہ مامون وعہد مابعد میں شعوبیوں کا ایک گروہ پیدا ہوگیا جو عربوں کا سخت دشمن تھا۔

شعوبیوں کا خروج

اس گروہ کے لوگ مامون کے زمانہ میں بہت عروج پر تھے، اور تمام کاروبار سلطنت میں ان کا ہاتھ شامل تھا۔ ان میں سہیل ابن ہارون مہتمم کتاب خانہ، ابو عبیدہ اور علان شعوبی خاص لوگ تھے۔ شعوبیوں کا مسلک یہ تھا کہ تمام افراد انسانی مساوی ہیں اور ان میں کوئی تفریق عرب و عجم کی نہیں ہے۔ ہرچند یہ مسلک نہایت صحیح اور تعلیم اسلام کے مطابق تھا لیکن اس گروہ کا مقصود حقیقی تو صرف عربوں کی توہین تھی جس کے لئے وہ لوگوں کو اپنی طرف شامل کرنے کے لئے عمدہ عمدہ اصول کا اعلان کرتے تھے۔ رفتہ رفتہ عربوں اور شعوبیوں میں باہم سخت اختلاف وعناد قائم ہوگیا، اور ایک نے دوسرے کی تذلیل و تضحیک میں کوئی دقیقہ کوشش کا نہ اٹھا رکھا، یہاں تک کہ اس کے متعلق بہت سی تصانیف مرتب ہوگئیں اور ایک گروہ کے شعرا نے دوسرے گروہ کے لوگوں کی سخت ہجو کرنے سے بھی دریغ نہیں کیا۔ بشار ابن برد، حسن ابن ہانی، شعوبی شعرا میں سے تھے، اسی طرح بعض شعرا و مصنفین اہل عرب کے طرفدار تھے، چنانچہ ابن قتیبہ نے عربوں کی طرفداری میں ایک زبردست کتاب (تفضیل العرب) لکھی جس کی تردید پھر شعوبیوں نے کی۔

ایرانی موالی کی طرف سے بدگمانی

یہ ہم ظاہر کر چکے ہیں کہ خلفائے عباسیہ نے کس طرح ایرانی النسل موالی کو بام عروج پر پہنچا دیا اور ان کو سلطنت کے بڑے بڑے عہدے تفویض کئے، لیکن یہ ظاہر ہے کہ زمانہ ہمیشہ ان کا ساتھ نہ دے سکتا تھا اس لئے وہ وقت آیا کہ ایرانی اقتدار کا دربار خلافت سے کم ہونے لگا اور قدرت نے وہ اسباب پیدا کر دیے جو عروج کو زوال میں تبدیل کر دیتے ہیں۔

یہ بالکل واقعہ ہے کہ جب ایرانیوں کو جن میں سب کے سب شیعیان علی میں سے تھے۔ پھر نظام حکومت میں زیادہ درخور حاصل ہو گیا، اور خلفاء ان کے قابو میں آ گئے، تو انہوں نے خیال کیا کہ یہی وہ وقت ہے جب انسان کی جبارتیں اُسے فرش خاک سے اٹھا کر صاحب تاج و تخت بنا دیتی ہیں، لیکن چونکہ عباسیہ کی بڑھتی ہوئی قوت کے سامنے وہ کچھ نہ کر سکتے تھے اس لئے وہ تکمیل آرزو کے لئے موقع و محل کے منتظر تھے۔ ہر چند خلفائے عباسیہ ان کو ترقی دیتے چلے جا رہے تھے لیکن اسی کے ساتھ وہ سمجھتے تھے کہ ان کی طرف سے مطمئن ہو جانا خلاف مصلحت ہے۔ اور یہ شیعیان علیؑ خواہ ایرانی ہوں یا اہل عرب ضرور ایک دن فساد برپا کریں گے چنانچہ سب سے پہلے خلیفہ مہدی کا خیال اس طرف منتقل ہوا اور اس نے اپنے وزیر یعقوب ابن داؤد کی حرکات پر ایک جاسوس مقرر کیا۔ یعقوب ابراہیم ابن عبداللہ العلوی الحسنی کا مر[illegible] جب عبداللہ نے مدینہ میں اعلان خلافت کیا تو یعقوب ان کا ساتھی تھا، لیکن پھر مصلحتاً اس نے ان کا ساتھ چھوڑ دیا، اور

خلیفہ مہدی کی ملازمت میں آگیا۔ مہدی کے مزاج میں اس کو در خور حاصل ہو گیا تھا کہ وہ اسے بھائی کہا کرتا تھا، اور تمام انتظام سلطنت اسی کے سپرد کر دیا تھا، لوگوں کو اس کا یہ عروج دیکھکر بہت رشک آیا اور مہدی سے شکائیتں کرنے لگے لیکن کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر کار خلیفہ سے کہا گیا کہ یعقوب شیعیان علی کا طرفدار ہے اور ان کو پناہ دیتا ہے، یہ سنکر مہدی نے اس کی جانچ کرنی چاہی۔ ایک دن مہدی نے یعقوب کو بلایا، خلیفہ اس وقت تک ایسے کمرہ میں تھا جس کا سارا سامان گلابی تھا اور خود بھی اسی رنگ کے قیمتی ملبوس میں تھا۔ ایک نہایت حسین کنیز پاس موجود تھی۔ مہدی نے دوران گفتگو میں انتہا سے زیادہ اظہار لطف کرتے ہوئے یعقوب سے کہا کہ "جو کچھ اس کمرہ میں ہے مع اس کنیز کے تمہارا ہے"۔ اس کے بعد مہدی نے اس سے ایک راز کی نہایت اہم بات کہی اور مشورہ چاہا، وہ بات یہ تھی کہ مہدی شیعیان علیؑ میں سے ایک شخص کے خلاف تھا اور چاہتا تھا کہ یعقوب اسے قتل کر دے۔ یعقوب نے یہ سنکر قسم کھائی کہ وہ خلیفہ کی اس خواہش کو پورا کر دے گا۔ لیکن جب یعقوب گھر گیا اور اس شخص کو بلا کر باتیں کیں تو معلوم ہوا اسے بہت ذہین پایا، اور بجائے جان لینے کے اسے بھاگ جانے کی ہدایت کی لیکن وہ کنیز جو انعام میں ملی تھی، ان تمام باتوں کو سن رہی تھی، اس نے جا کر مہدی سے سارے واقعات بیان کر دیئے۔ مہدی نے فوراً پوشیدہ طور سے ایک آدمی بھیج کر اس شخص کو گرفتار کرا لیا، اور قصر شاہی میں قید کرا دیا، اس کے بعد یعقوب کو طلب کر کے اس شخص کا سامنا کرا دیا، اور یعقوب کو بھی زندان میں ڈال دیا۔ جب مہدی کی وفات کے بعد رشید تخت نشین ہوا تو یحیٰی ابن خالد برمکی کی سفارش سے جو یعقوب کا ہم مسلک تھا، ۷ برس کے بعد رہا کیا گیا، اور پھر وہ مکہ چلا گیا۔

خاندان برمک

خلیفہ مہدی اور خلیفہ ہادی کی وفات کے بعد جب رشید تخت نشین ہوا تو اس نے آل برمک کو قلمدان وزارت سپرد کر دیا۔ چونکہ خاندان برمک کا مورث اعلےٰ خالد ابو مسلم کی فوج کا سردار تھا اور آل عباس کو اس سے بہت مدد ملی تھی اس لئے سفاح نے اسے اپنا وزیر اور منصور نے سپہ سالار کی خدمت تفویض کر دی تھی اور واقعہ یہ ہے کہ خالد اس قدر ذہین اور کامل الصفات شخص تھا۔ اس کی اولاد میں کوئی دوسرا اس جیسا پیدا نہیں ہوا۔ ۱۴۷ھ میں اس کے بیٹے یحییٰ کے ایک لڑکا پیدا ہوا جس کا نام اس نے فضل رکھا۔ اس کے سات دن بعد رشید پیدا ہوا اور اس طرح خیزران (فضل کی ماں) نے رشید کو بھی دودھ پلایا اور فضل و رشید دونوں کی پرورش ساتھ ہونے لگی جب ہارون نے کچھ ہوش سنبھالا تو خلیفہ مہدی نے یحییٰ کو اس کا اتالیق بنا دیا اور اس طرح رشید خاندان یحییٰ میں بڑھنے اور پرورش پانے لگا۔ رشید کو یحییٰ سے اس قدر انس تھا کہ اسے باپ کہا کرتا تھا۔

مہدی کا انتقال

جب ۱۶۹ھ میں بمقام جرجان مہدی کا انتقال ہوا تو رشید نے یحییٰ اور

ربیع ابن یونس سے جو مہدی کے مشیران خصوصی میں سے تھا، دریافت کیا ک
"اب کیا کرنا چاہیئے۔ ہم لوگ بغداد سے بہت دور ہیں، ممکن ہے وہاں کوئی
ہنگامہ ہوجائے" یحییٰ نے رشید کو بغداد جانے کا مشورہ دیا۔ جب یہ بغداد
پہنچے تو واقعی وہاں آثار بدامنی پیدا تھے خیزراں (فضل کی ماں) نے یحییٰ اور
ربیع دونوں کو مشاورت کے لئے طلب کیا۔ ربیع تو گیا لیکن یحییٰ نے انکار کر
دیا کیونکہ وہ ہادی کی طبیعت سے واقف تھا اور جانتا تھا کہ جو رنجش ہادی
کو خیزراں سے ہے۔ وہ کبھی اس کو پسند نہ کریگا۔ کہ میں خیزراں سے ملوں۔
ہادی جو مہدی کے بعد تخت نشین ہوگیا تھا یحییٰ کے اس طرز عمل سے بہت خوش ہوا
اور اسے بدستور رشید کی اتالیقی پر قائم رکھا

ہادی کی تخت نشینی

ہادی نے تخت نشین ہونے کے بعد ہی سب سے پہلے رشید کی ولیعہدی
کو منسوخ کرنا چاہا۔ تاکہ خلافت اسی کی اولاد میں منتقل ہوجائے۔ چنانچہ ہادی
نے اپنا یہ ارادہ بعض ارکین دربار سے ظاہر کیا۔ انہوں نے فوراً ہادی کے بیٹے
جعفر کی جانشینی کے لئے اظہار رضامندی کر کے حلف لے لیا اور خلافت رشید
کے عہد کو توڑ ڈالا۔ ہادی نے اس کے بعد حکم نافذ کیا کہ تمام نشانات اعزاز
جو ولیعہد کے لئے مخصوص ہیں، رشید سے جدا کر لیئے جائیں۔ چنانچہ اس کی بھی تعمیل
ہوگئی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ لوگ رشید کی عام طور سے برائیاں کرنے لگے، اس
سے ملنا جلنا اور سلام کرنا بھی ترک کر دیا۔ رشید مایوس ہوکر اپنی قسمت کے اس

ناخوشگوار فیصلہ پر راضی ہوجاتا لیکن یحییٰ اسے بددل نہ ہونے دیتا تھا اور برابر طلب حقوق کے خیال پر اُسے مستحکم کئے ہوئے تھا جب ہادی کو خبر ملی کہ یحییٰ رشید کی آرزوؤں کو زندہ رکھنے کی کوشش کر رہا ہے۔ تو ہادی نے اُسے بلا کر دریافت کیا: "میرا تمہارا تعلق کیا ہے؟" یحییٰ نے جواب دیا "وہی جو ایک آقا اور غلام کے درمیان ہوتا ہے"۔ خلیفہ نے پوچھا: "پھر تم کیوں میرے اور میرے بھائی کے درمیان حائل ہوکر اسے گمراہ کر رہے ہو"۔ یحییٰ نے جواب دیا "میں بیچ میں حائل ہونے والا کون! خلیفہ مہدی نے رشید کی تربیت میرے سپرد کی اور پھر خود خلیفہ ہادی نے اس کی خدمت کو بحال رکھا۔ اب میں صرف اسی کی تعمیل کر رہا ہوں"۔ جب یحییٰ نے دیکھا کہ ہادی یہ جواب سنکر برہم نہیں ہے تو اس نے اور جرأت کر کے عرض کیا۔

"امیرالمومنین! اگر لوگوں کو اپنے عہد وقول سے پھر جانے کا موقع دیا جائیگا تو مکروفریب عام ہو جائیگا۔ اس لئے اگر امیرالمومنین اپنے بھائی رشید کی جانشینی کے عہد پر لوگوں کو قائم رکھکر اس کے بعد جعفر کے لئے حلف اطاعت لیں تو زیادہ موزوں ہوگا۔ تاکہ عہد وقول کا احترام قائم رہے"۔ خلیفہ نے یہ سنکر یحییٰ کو رخصت کر دیا۔ پھر ان لوگوں کے اصرار سے جو مخالفت رشید کے محرک ہو گئے تھے یحییٰ کو طلب کر کے مقید کر دیا۔ چند دن بعد یحییٰ نے قید خانہ سے ایک تحریر ہادی کے پاس روانہ کی کہ "مجھے ایک مفید مشورہ عرض کرنا ہے"۔ ہادی نے بلا کر دریافت کیا تو یحییٰ نے کہا "اگر خدانخواستہ وہ وقت آگیا جس سے ہم پناہ مانگتے تھے تو کیا آپ یقین کرتے ہیں کہ لوگ جعفر کی اطاعت کر لیں گے۔ کیا وہ نماز حج اور جنگ میں جعفر کو اپنا سر دار و پیشوا تسلیم کر لیں گے۔ اس حال میں کہ وہ بالکل کمسن ہوں گے"۔ ہادی نے جواب دیا "میرا خیال ہے کہ لوگ ایسا نہ کریں گے"۔ یحییٰ نے کہا: "کیا پھر امیرالمومنین کو

یہ اندلیشہ نہیں ہے کہ مبادا کوئی اور سردار خود اپنی خلافت کے لئے کوشش کرے
اور اس طرح ہمیشہ کے لئے آپ کے خاندان سے یہ اعزاز و شرف چھن جائے اگر آپ کے
باپ نے آپ کے بھائی کو آپ کے بعد جانشین نامزد نہ کر دیا ہوتا۔ تو آپ کا موجودہ
طرزِ عمل موزوں تھا' لیکن اس صورت میں مناسب یہی ہے کہ رشید کی جانشینی کو
برقرار رکھئے اور جب جعفر بالغ ہو جائے تو پھر کسی نہ کسی طریق سے رشید کو مجبور کیجئے
کہ وہ دعوئے خلافت سے دست بردار ہو جائے"

رشید کی خلافت

لیکن اتفاق سے ہادی کا عہد سلطنت صرف ایک سال رہا اور اس
لئے اس کے بعد رشید ہی تخت نشین ہوا۔ کیونکہ جعفر بالکل کمسن بچہ تھا جب
ہادی کا انتقال ہوا تو یحییٰ پہلا شخص تھا۔ جو یہ خوش خبری رشید کے پاس
لایا اور اس کو بیدار کر کے خاتم خلافت پیش کی۔ رشید نے کہا "اے والد محترم
آپ ہی نے مجھے اس درجہ تک پہنچایا اس لئے آپ ہی اسے رکھئے اور جو
چاہے کیجئے آپ مالک ہیں" پھر تاریخ شاہد ہے کہ رشید نے کس حد تک اپنے
وعدہ کا پاس کیا

یحییٰ کی اولاد

یحییٰ کے کئی بیٹے تھے اور ہر بیٹے میں باپ کی کوئی نہ کوئی صفت پائی

جاتی تھی فضل میں اگر باپ کی فیاضی اور بے غرضی کا جوہر پایا جاتا تھا تو محمد میں اس کی عالی حوصلگی اگر موسیٰ کو اس کی جرأت وہمت ملی تھی تو جعفر کو اس کی فصاحت بلاغت بدرجۂ اتم حاصل تھی۔ یہ سب بڑے بڑے ممتاز عہدوں پر ممتاز تھے، اور حقیقت یہ ہے کہ یہی لوگ سلطنت کر رہے تھے رشید نے یحییٰ کو خوش رکھنے کے لئے جعفر کو سلطنت کا مغربی حصہ سونپ دیا تھا اور فضل کو مشرقی حصہ۔ ۱۷۸ھ میں فضل نے خراسان کو اپنا دارالامارۃ بنا کر مساجد وغیرہ تعمیر کرائیں اور رعایا کے اوپر جو محاصل زمین باقی تھے۔ معاف کر دیئے۔ فوج کی تعداد میں اضافہ کیا اور نہایت دریا دلی سے لوگوں کو انعامات دینے لگا۔ چند دن بعد خراسان میں اپنا نائب چھوڑ کر ۱۷۹ھ میں عراق گیا اور یہاں رشید نے اسے اپنا وزیر بنا لیا۔ کچھ زمانہ بعد رشید نے چاہا کہ وزارت اس کے بھائی جعفر کو منتقل کر دے۔ چنانچہ اس نے یحییٰ سے کہا۔

جعفر کی وزارت اور اس کا اقتدار

اے والد محترم! میں خاتم وزارت فضل سے لیکر جعفر کو دینا چاہتا ہوں۔ لیکن مجھے شرم آتی ہے، آپ لکھ دیجئے۔ یحییٰ نے اسی وقت فضل کو لکھا "امیرالمومنین تمہیں حکم دیتے ہیں کہ خاتم وزارت اپنے داہنے ہاتھ سے نکال کر بائیں ہاتھ میں پہن لو" فضل نے جواب میں لکھا "میں نے امیرالمومنین کے حکم کو سمجھ لیا اور میں اس کی تعمیل کے لئے حاضر ہوں کیونکہ ہر وہ عزت جو جعفر کے لئے مخصوص ہو میری ہی عزت ہے۔ جعفر وزیر ہو گیا اور اس نے رشید کے مزاج میں

اس قدر دخورا اور سلطنت میں اتنا اقتدار پیدا کر لیا کہ اس کی نظیر دنیا کی کسی تاریخ وزارت میں نہیں ملتی۔ رشید نے ایک ملبوس ایسا تیار کرایا تھا جس میں دو گریبان تھے۔ تاکہ وہ اور جعفر ایک ہی لباس کو ایک وقت میں ساتھ پہن سکیں جعفر کی یہ حالت تھی کہ وہ اہم سے اہم معاملہ میں خلیفہ کی طرف سے ایک حکم دے دیتا تھا اور اُسے یقین ہوتا تھا کہ رشید کبھی اس کے خلاف نہ کریگا

اس اقتدار کی وسعت ذیل کے واقعہ سے اچھی طرح ثابت ہوتی ہے۔

رشید عبدالملک ابن صالح ہاشمی سے بہت برہم تھا۔ کیونکہ یہ بھی دعویدار خلافت تھا ایک دن اتفاق سے عبدالملک جعفر کی بزم بادہ نوشی میں موجود تھا۔ جب وہ جانے لگا۔ تو جعفر نے جوش میں آکر کہا کہ جو کچھ تمہاری خواہش ہو مجھ سے کہو اس نے کہا "خلیفہ مجھ سے برہم ہیں میں چاہتا ہوں وہ خوش ہوجائیں" جعفر نے جواب دیا۔ "امیرالمومنین تم سے خوش ہوگئے اور وہ بالکل برہم نہیں ہیں علاوہ اس کے میں تمہارا چار لاکھ درہم کا مقروض ہوں۔ وہ بھی لو یہ موجود ہے" عبدالملک نے کہا "میں اپنے بیٹے ابراہیم کو خلیفہ کی کسی بیٹی سے منسوب دیکھنا چاہتا ہوں" جعفر نے جواب دیا "خلیفہ نے اپنی بیٹی علیہ کو ابراہیم کے نکاح میں دے دیا" عبدالملک نے کہا "میں چاہتا ہوں کہ ابراہیم کی عزت میں اور اضافہ کیا جائے" جعفر نے جواب دیا "خلیفہ نے اس کو مصر کا گورنر بنا دیا" اس کے بعد عبدالملک چلا گیا۔ لوگ حیران تھے کہ دیکھئے جعفر کا کیا حشر ہوتا ہے۔ لیکن شام کو جب وہ دربار پہنچا۔ تو یہ عالم تھا کہ ایک ایک خواہش رشید کے سامنے پیش کی جاتی تھی اور وہ ہر خواہش پر یہی کہتا جاتا تھا کہ "بہت مناسب ہے" جعفر کو خزانہ شاہی پر بھی اختیار کلی حاصل تھا جس کو جتنا چاہتا اٹھا کر دیدیتا تھا۔ لیکن یہ خدا کی شان ہے کہ جب آل برمک پر زوال آیا تو وہ بھی ایسا ہی شدید تھا اور اس

کی بھی کوئی نظیر تاریخ عالم میں پیش نہیں کی جا سکتی۔

اسباب زوال کے متعلق مورخین میں اختلاف ہے، لیکن جب تحقیق کی جاتی ہے۔ تو اس کی صرف ایک وجہ معلوم ہوتی ہے۔ جس کو ذرا ہم تفصیل کے ساتھ بیان کریں گے۔

زوال برمک

یہ واقعہ ہے کہ آلِ برمک شیعیان علی میں سے تھے اور ان کے مورث اعلیٰ خالد برمکی نے تمام اہل خراسان کی طرح پہلے علویین ہی کے لئے حلف اطاعت لیا تھا۔ لیکن جب آل عباس کا ستارۂ اقبال بلند ہوا، اور لوگوں نے دیکھ لیا کہ خاندان علی کی طرفداری میں ابوسلمہ اور ابومسلم کا کیا حشر ہوا تو خالد نے بھی مجبور ہو کر آل عباس کا ساتھ دینا شروع کیا، اور جن خدمات سے پہلے سفاح اور پھر منصور کی نگاہوں میں وقعت حاصل کر لی۔

آل برمک کا علویین کی طرف میلان

اس کا بیٹا یحییٰ اور سارا خاندان اسی کا ہم خیال تھا اور سب کے دل علویین کی طرف مائل تھے، لیکن اس کا اظہار نہ کر سکتے تھے۔ علی الخصوص رشید کے زمانہ میں جو علویین کا اور ان کے طرفداروں کا سخت دشمن تھا اور جس نے تخت نشین ہوتے ہی اولاد ابی طالب کو بغداد سے جلا وطن کرا کے

مدینہ بھیج دیا۔[4]

آل برمک، رشید کے اس طرز عمل کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے[5] اور پوشیدہ طور سے علویین کی مدد کیا کرتے تھے۔ اس گروہ کے خاص خاص لوگ جعفر کے مکان پر جمع ہوتے تھے اور رشید کے طرز عمل کی شکایتیں ہوا کرتی تھیں۔ ہر چند یہ کارروائی نہایت خفیہ طریق پر ہوا کرتی تھی۔ لیکن پھر بھی عربوں میں سے بعض بعض دشمن رشید کو یہ اطلاعیں پہنچایا کرتے تھے۔

آل برمک کے دشمن

جعفر کے سخت دشمنوں میں رشید کی بیوی (امین کی ماں) زبیدہ بھی تھی۔ کیونکہ جعفر مامون کو (جو رشید کا دوسرا بیٹا تھا) امین پر ترجیح دیا کرتا تھا۔ علاوہ زبیدہ کے اور لوگ بھی تھے جو جعفر اور اس کے خاندان کے دشمن تھے علی الخصوص خاندان ربیع جس کا اثر محض آل برمک کی وجہ سے ضعیف و کمزور ہو گیا تھا، یہ سب لوگ رشید کو آل برمک کی طرف سے بدظن رکھتے تھے اور اس کو یقین دلاتے تھے کہ یہ خاندان طرفداران خاندان علی میں سے ہے اور ان کی مدد کیا کرتا ہے۔

رشید یہ سب سنتا تھا اور خاموش رہتا تھا۔ کیونکہ یحییٰ اور اس کے خاندان نے جو احسانات رشید پر کئے تھے، وہ معمولی نہ تھے، اور رشید ان سے بہت متاثر تھا۔

بعض دفعہ خود رشید اس امر کو محسوس کرتا تھا کہ جعفر علویین کی طرفداری

---

[4] طبری ۲-۷۷ [5] اغانی ۲۰-۷۶ [6] مسعودی ۲-۱۹۵

کرتا ہے، لیکن وہ خاموش ہو جاتا تھا چنانچہ جب جعفر نے مصر کا گورنر ابراہیم ابن عبدالملک ہاشمی کو مقرر کیا تو رشید خون کا سا گھونٹ پی کو چپ ہو گیا۔

خراسان میں گروہ علویین

قبل خروج آل عباس کے خراسان و طبرستان کے لوگ طرفداران علی میں سے تھے اور محض ابو مسلم کے خوف کی وجہ سے آل عباس کے طرفدار بن گئے تھے۔ جب ان کو ابو مسلم کے قتل کی خبر ملی تو وہ سخت برہم ہوئے اور انہوں نے بدلہ لینا چاہا لیکن قبل اس کے کہ یہ لوگ کچھ کر سکتے۔ منصور نے ان کو پامال کر دیا' اور عارضی طور سے یہ فتنہ دب گیا۔ ہر چند منصور نے علویین کی تباہی اور بربادی میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھا تھا' اور اس شخص کو جو اس خاندان کا ملتا تھا' تہ تیغ کر دیتا تھا۔ تاہم جو لوگ بھاگ کر ادھر اُدھر منتشر ہو گئے' ان کے ساتھ اہل خراسان کے دل وابستہ تھے اور چاہتے تھے کہ کسی نہ کسی طرح منصور سے ابو مسلم کے قتل کا بدلہ لیا جائے

چونکہ خراسان مرکز تھا علویین کے طرفداروں کا' اس لئے خلفائے عباسیہ ہمیشہ اس طرف سے خائف رہتے تھے' اور سمجھتے تھے کہ ان کی جرأت کی طرف سے ہر وقت فساد کا اندیشہ ہے۔ رشید کے عہد خلافت میں محمد ابن عبداللہ (جس کو منصور نے قتل کرا دیا تھا) کا بھائی یحیٰی خراسان میں بہت ذی اثر تھا اور اس کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا تھا کہ رشید نے مجبوراً فضل بن یحیٰی برمکی کو یہ فتنہ فرو کرنے کے لئے روانہ کیا۔ فضل نے مناسب و نرم شرائط پر انہیں سرزمین دیلم چھوڑنے پر راضی کر لیا اور رشید نے خود اپنے ہاتھ سے ان کو معافی کا پروانہ

دیدیا۔ جب یحیٰی بغداد آیا تو رشید نے ایک شاہانہ وظیفہ بھی ان کا مقرر کر دیا۔

ہر چند رشید چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح وہ یحیٰی کو قید کر لے۔ لیکن مجبور تھا کیونکہ وہ معافی کا پروانہ تحریر کر چکا تھا۔ رشید نے بعض لوگوں سے رائے طلب کی، اور انہوں نے کہا کہ پروانہ جائز ہے اور بعض نے رائے دی کہ ناجائز ہے (ان لوگوں میں قاضی ابوالبختری بھی تھے) رشید نے اس رائے کو تسلیم کیا اور پروانہ کو چاک کر ڈالا اس کے بعد رشید نے یحیٰی کو جعفر سپرد کر دیا اور مقید رکھنے کا حکم دیا۔ جعفر یہ سمجھتا تھا کہ یہ خلیفہ کی زیادتی ہے، اور اسے اپنے رسوخ و اقتدار پر پورا اعتماد تھا۔ اس لئے جعفر نے نہ صرف یحیٰی کو آزاد کر دیا بلکہ سپاہیوں کی ایک جماعت بھی ساتھ کر دی کہ اسے حفاظت کے ساتھ جہاں جانا چاہے پہنچا دے۔[1]

رشید کی بدظنی جعفر کی طرف سے

جعفر کے دشمن تو موقع کے منتظر ہی رہا کرتے تھے۔ جب فضل بن ربیع کو جو جعفر کا نہایت سخت دشمن تھا یہ خبر معلوم ہوئی۔ تو اس نے فوراً جا کر رشید کو اطلاع کی۔ رشید نے سن کر ظاہر میں تو ربیع کو ڈانٹا اور کہا کہ جعفر نے جو کچھ کیا ہے میرے حکم سے کیا ہے۔ لیکن دل ہی دل میں نہایت برافروختہ ہوا اور جعفر سے کہلا بھیجا کہ اس وقت کھانا میرے ساتھ کھائے، جب جعفر آیا اور دسترخوان پر بیٹھ گیا تو رشید اپنے ہاتھ سے نوالے بنا بنا کر جعفر کو دینے لگا اور اسی دوران میں یحیٰی کا حال دریافت کیا۔ جعفر نے کہا کہ وہ مقید ہے" رشید نے کہا "میرے سر کی قسم کھا کر کہو" تب جعفر نے کہا کہ "یحیٰی بالکل بے گناہ تھا" اس لئے میں نے اسے چھوڑ دیا" رشید نے سنکر کہا "اچھا کیا خود میرا بھی

---

[1] قلدرن ۱۴۸ م

یہی ارادہ تھا" رشید نے اپنی زبان سے تو یہ کہہ دیا لیکن واقعہ یہ ہے کہ اسی وقت سے وہ جعفر کے خون کا پیاسا ہو گیا تاہم چونکہ وہ آل برمک کے وسیع اثرات سے واقف تھا اس لئے موقعہ کی تلاش میں رہا۔ واقعہ یہ ہے کہ رشید آل برمک پر ایک سخت ضرب پہنچانے کے لئے جعفر کو ڈھیل دینا چاہتا تھا۔ تاکہ اسے مطلق خبر نہ ہو سکے۔ اس لئے اس نے جعفر کو خراسان و سجستان کا گورنر مقرر کیا اور خاتم وزارت اس کے باپ یحییٰ کے سپرد کر دی، لیکن بیس دن کے بعد ہی اس تقرر کو منسوخ کر دیا، غالباً اس وجہ سے کہ جعفر کو خراسان کا گورنر کر دینا، اور زیادہ خطرناک تھا۔ آل برمک کے دشمنوں میں ایک شخص علی ابن عیسیٰ ابن ہامان تھا اس نے یحییٰ برمکی کے بھائی موسیٰ پر یہ الزام لگایا کہ وہ خراسان کے لوگوں سے خفیہ خط و کتابت رکھتا ہے، اور سلطنت کی طرف سے باغیانہ خیالات پھیلاتا ہے الغرض یہ اور اس قسم کی بہت سی باتیں تھیں جن سے رشید کو یقین ہو جاتا تھا کہ آل برمک علویین کے طرفدار اور آل عباس کے دشمن ہیں۔

آل برمک کا انحطاط

چونکہ رشید کے دل میں اب یہ جذبات نہایت شدت سے مستحکم ہو گئے تھے اس لئے اب اس کے افعال سے بھی ظہور ہونے لگا۔ یحییٰ برمکی کا معمول تھا کہ بغیر اطلاع کے جس وقت چاہتا رشید کے پاس آجاتا تھا اور جب وہ آتا تھا تو سارے غلام کھڑے ہو جایا کرتے تھے۔ رشید نے ان دونوں باتوں کی ممانعت کر دی، اور اس طرح اب لوگوں پر بھی رشید کی برہمی آل برمک کی طرف سے ظاہر ہونے لگی؛

اس میں شک نہیں کہ رشید رات دن اسی فکر میں تھا کہ کس طرح وہ اس خاندان کو تباہ کرے۔ لیکن چونکہ تمام رعایا پر آل برمک کا ان کی فیاضیوں کی وجہ سے خاص اثر تھا، اس لئے وہ ڈرتا تھا اور چاہتا تھا کہ نہایت خاموشی کے ساتھ اس کام کو انجام دے۔ چنانچہ رشید نے مغنیوں کو مامور کیا کہ وہ تمام مجالس میں شریک ہو کر لوگوں کے خیالات معلوم کریں اور تمام اطلاعات اس تک پہونچائیں۔

اسحاق موصلی رشید کا نہایت محبوب مغنی تھا، اور تمام امراء و ارکین سلطنت کی مجالس میں اسے بہت درخور حاصل تھا۔ ایک دن رشید نے اس سے پوچھا کہ "لوگوں کا کیا خیال ہے؟" اس نے کہا کہ سب کا خیال یہی ہے، کہ امیرالمومنین آل برمک کو قید کرنے والے ہیں، اور **فضل بن ربیع** کو وزیر بنائیں گے"۔ رشید نے یہ سُنکر بظاہر غصہ کا اظہار کیا کہ "تجھے ان باتوں سے کیا مطلب ہے"۔ اسحاق خاموش ہو گیا اور اس کے بعد کچھ نہیں کہا[1]۔

رشید کے جاسوس

رشید نے ایسے جاسوس بھی مقرر کئے، جو آل برمک کے گھروں میں جاکر وہاں کی کارروائیاں معلوم کریں۔ چنانچہ یہ جاسوس آتے تھے اور معمولی معمولی باتوں میں بھی نہایت مبالغہ کے ساتھ رنگ آمیزیاں کیا کرتے تھے، انہیں جاسوسوں میں وہ غلام وہ بھی تھے جو رشید نے جعفر کو دیدیئے تھے، اور یہ جعفر کے مکان کی خبریں رو ز رشید کو پہنچاتے تھے۔ جعفر کا معمول تھا کہ وہ

---

[1] آغانی ۵ ص ۱۱۳

ہفتہ میں ایک دن اپنے مکان پر دعوت کیا کرتا تھا جس میں سلطنت کے تمام اراکین اور بڑے بڑے ذی اثر ایرانی النسل لوگ شامل ہوا کرتے تھے۔ ایک بار اسی جلسہ میں ابو مسلم کا ذکر آگیا اور لوگوں نے کہا کہ "کس قابلیت سے اس نے سلطنت ایک خاندان سے دوسرے خاندان میں منتقل کردی" جعفر نے کہا کہ "یہ کوئی بڑا کام نہیں تھا، کیونکہ اس نے ۲ لاکھ آدمیوں کا خون کر کے یہ کام انجام دیا، قابلیت تو یہ ہے کہ سلطنت منتقل ہو جائے اور کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو" ان دونوں غلاموں نے یہ سنا اور رشید سے اس طرح بیان کیا، جس سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ شاید جعفر خود ایسا کرنا چاہتا ہے۔ یہ تھی آخری خبر جس نے رشید کو آل برمک کی تباہی پر بالکل آمادہ کر دیا۔

رشید کا عزم قتل جعفر کیلئے

۱۸۷ھ میں رشید حج سے واپس آرہا تھا اور بالکل یہ ارادہ دل میں لئے ہوئے تھا کہ آل برمک کا خاتمہ کر دینا چاہئے۔ اس نے جعفر کو طلب کیا اور خراسان کا گورنر مقرر کر کے خلعت وغیرہ مرحمت فرمائی۔ علاوہ اس کے ایک دستہ فوج کا بھی خاص طور سے اس کے لئے متعین کیا جس نے وہیں خیمے نصب کر دیئے لیکن اسی وقت جبکہ جعفر بغداد میں خراسان جانے کی تیاریاں کر رہا تھا، جعفر کا ایک ہاشمی دوست جسے

لہ زینت المجالس

کسی طرح معلوم ہو گیا تھا کہ رشید کا کیا ارادہ ہے؛ جعفر کے پاس آیا او
کہا کہ آپ ایک نہایت وسیع اور دولتمند ملک کے مالک ہو کر جا رہے
ہیں۔ اگر اس وقت آپ اپنی کچھ دولت و جائداد امیرالمومنین کے لڑکے کو
دے جائیں تو زیادہ مناسب ہے" جعفر یہ سنکر برہم ہوا اور بولا" کیا
امیرالمومنین کے لئے یہ کم ہے کہ وہ محض میری وجہ سے بے فکر ہیں
اور ان کی سلطنت کا نظام قائم ہے۔ میں نے ان کے خزانوں کو معمور کر
دیا ہے، اور تمام اہم و پیچیدہ معاملات کو سلجھا دیا ہے۔ اب بھی وہ اس
کی طمع کرتے ہیں کہ جو کچھ میں نے اپنے اور اپنی اولاد کے لئے ترکہ چھوڑا ہے
ان کے سپرد کر دوں۔ اگر ان کی خواہش ایسی ہے۔ تو انہیں آخر میں نادم
ہونا پڑے گا" اس سے جعفر کا مدعا یہ تھا کہ میں خراسان میں جا کر علم
بغاوت بلند کر دوں گا۔ یہ شخص سنکر خاموش ہو گیا اور چلا گیا۔ رشید
ایک جاسوس یہ گفتگو سن رہا تھا۔ اس نے جا کر رشید سے لفظ بہ لفظ یہ
واقعہ بیان کر دیا۔ اور رشید نے عزم کر لیا کہ اب فوراً جعفر کو قتل کر دینا چاہ

جعفر کا قتل اور خاندان برامکہ کا خاتمہ

اس معاملہ میں رشید نے اپنی بیوی زبیدہ سے مشورہ کیا چو
زبیدہ خود پہلے ہی سے بہت بیزار تھی، اس لئے اس نے رشید کے
کو اور مستحکم کر دیا، رشید نے اس موقع کو غنیمت سمجھا کیونکہ جعفر بغداد
میں تنہا تھا، اور اس کے ساتھی سب نہروان میں تھے۔ چنانچہ اس

اپنے غلام مسرور کو مامور کیا کہ جا کر جعفر کا سر کاٹ لائے اور اس کے بعد رات ہی کو رشید نے یحییٰ اور فضل کے مکان کا محاصرہ کرا لیا، اور سب کو گرفتار کر کے تمام مال و اسباب اپنے قبضہ میں کر لیا۔

چونکہ آلِ برمک کی تباہی کے بعد سوائے فضل بن ربیع کے کوئی مستحق وزارت نہ ہو سکتا تھا اس لئے وزیر قرار پایا۔ ہر چند جعفر کے قتل کرنے اور آلِ برمک کو تباہ کر دینے کے بعد رشید کو کبھی مسرت نصیب نہ ہوئی اور وہ ہر وقت ملول و متاسف رہتا تھا لیکن رشید کا ایسا کرنا ان واقعات و اطلاعات کی بنا پر جو اس تک پہونچتی تھیں، اک نوع کی مجبوری تھی، اور ہر وہ خلیفہ جو اس کی جگہ ہوتا یہی کرتا۔

رشید اپنی فطرت کے لحاظ سے نہایت رحم دل، فیاض، منصف اور مستقل مزاج تھا لیکن علویین اور ان کے طرفداروں سے وہ اس قدر برہم تھا کہ اس معاملہ میں وہ ذرا کسی کی رعایت نہ کر سکتا تھا۔ اسے یقین تھا کہ یہ لوگ آلِ عباس کے سخت دشمن ہیں اور ان کے ساتھ رعایت کرنا اپنے ساتھ عداوت کرنا ہے۔

ہر چند اس دعویٰ کے لئے اب کوئی دلیل پیش نہیں کی جا سکتی کہ آلِ برمک زوالِ عباسیین کا باعث ہوتے لیکن یہ واقعہ ہے کہ اگر رشید آلِ برمک کا خاتمہ نہ کر دیتا تو بالکل ممکن تھا کہ خلافت و سلطنت ایک دن علویین کے ہاتھ میں پہنچ جاتی۔

امین و مامون

برمک کی تباہی پر اہلِ خراسان بہت برہم ہوئے اور تمام پچھلے زخم پھر تازہ ہو گئے، از سر نو اہلِ عباس سے بدلہ لینے کے مشورے ہونے لگے اور نہایت عزم و اہتمام کے ساتھ اس کی تدابیر سوچی جانے لگیں، چونکہ رشید کا بیٹا مامون

ایک ایرانی کنیز کے بطن سے تھا اور خاندان برمک میں اس کی پرورش بھی ہوئی تھی۔ اس لئے اہل خراسان نے اپنی بہت سی توقعات اس کے ساتھ وابستہ کیں اور اس میں کلام نہیں کہ مامون ایرانیوں سے بہت مالوف تھا اور ان کے بہت سے خصائل و عادات اس کے اندر پائے جاتے تھے۔

جب رشید نے اپنے بعد خلافت کے مسئلے کو طے کیا تو اس کے ساتھ عراق شام وغیرہ لقب خلیفہ کے ساتھ امین کے سپرد کیا اور خراسان وغیرہ مامون کی سیادت میں دیدیا' اور امین کے بعد حق خلافت بھی اس کو سونپا۔ رشید نے یہ فیصلہ جعفر اور دیگر طرفداران علویین کے مشورہ سے کیا تھا۔ ۱۹۲ھ میں رشید نے خراسان جانے کا قصد کیا اور مامون سے کہا کہ وہ اس کی واپسی تک بغداد میں رہے چونکہ رشید علیل تھا اس لئے فضل بن سہل کو (جو مامون کا مشیر خاص تھا) خیال ہوا کہ کہیں رشید راستہ میں مر نہ جائے اس نے مامون سے کہا کہ "رشید کے بعد حق خلافت امین کو پہنچتا ہے' ہرچند صوبۂ خراسان تمہیں دیا گیا ہے لیکن چونکہ امین زبیدہ کا بیٹا ہے اور زبیدہ علاوہ بے انتہا دولت رکھنے کے تمام اعراب وگروہ ہاشمی اس کا طرفدار ہے۔ اس لئے تم کو خراسان سے الگ کر دینا بالکل ممکن ہے اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ تم بھی خلیفہ کے ساتھ خراسان چلے جاؤ' مامون نے رشید کے سامنے یہ درخواست پیش کی جس کو پہلے اس نے رد کر دیا لیکن بعد کو منظور کر لیا اور مامون بھی ساتھ ہو لیا۔ فضل ہمرکاب تھا جو تمام افسران فوج کو آہستہ آہستہ مامون کا طرفدار بنا رہا تھا۔ رشید طوس پہنچکر زیادہ بیمار ہو گیا اور مامون مرو میں (جو خراسان کا دارالامارۃ تھا) مقیم ہو گیا۔ جب رشید کی علالت کی خبر امین کو ملی تو اس نے فضل بن ربیع اور اپنے طرفداروں کو بلا کر کہا کہ اس کی خلافت کا اعلان کر دیا جائے۔ چنانچہ جب ۱۹۳ھ میں رشید کا انتقال ہوا تو ابن ربیع

لے ساری فوج نے امین کے لئے حلفِ اطاعت لے لیا اور سارا خزانہ وغیرہ اس کے قبضہ میں آگیا۔ جب امین خلیفہ ہو گیا تو فضل بن ربیع نے اس کو آمادہ کرکے مامون کی جانشینی کو منسوخ کرا دیا۔

فضل بن سہل اور علی الرضا

جب مامون نے اپنے باپ کی خبر وفات سُنی اور اسی کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ تمام فوج امین کی طرف دار ہو گئی ہے اور سارا خزانہ بھی اس کے قبضہ میں چلا گیا ہے تو اس نے مرو میں اپنے طرفداروں سے ایک مایوسانہ مشورہ کیا اور کہا کہ میں امین کا مقابلہ کیونکر کر سکتا ہوں۔ انہوں نے اس کو ہمت دلائی اور اس کی اعانت کا وعدہ کیا فضل نے کہا، تم اس وقت اپنی ماں کے رشتہ داروں کے درمیان ہو اور ہم لوگوں نے اطاعت کا حلف لیا ہے۔ اگر تم استقلال سے کام لوگے تو میں تمہیں ایک دن خلیفہ دیکھوں گا۔ اس وعدہ سے مامون بہت مطمئن ہوا اور اس کو ذوالریاستین (یعنی ریاست سیف و قلم) کا خطاب دیا۔

فضل نے مامون کی حمایت میں اپنی ساری کوششیں صرف کر دیں، اس لئے لوگوں کو اپنا طرفدار بنایا اور حدود ملک کو قلعہ بند کر لیا۔ اب دونوں بھائیوں کے درمیان عداوت بہت بڑھ گئی تھی اور بغداد و خراسان دونوں ایک دوسرے سے جدا ہو گئے تھے، اس کے بعد دونوں بھائیوں میں باہم بہت سی لڑائیاں ہوئیں اور آخرکار طاہر ابن الحسین نے ۱۹۸ھ میں امین کو قتل کرکے بغداد پر قبضہ کر لیا۔

چونکہ مامون پر فضل کے بہت سے احسانات تھے اس لئے اس کو بہت اقتدار

حاصل ہو گیا اور اس نے اپنے بھائی الحسن بن سہل کو عراق، اہواز، فارس، حجاز و یمن کا گورنر مقرر کرا دیا۔ اسی کے ساتھ اس نے یہ بھی کوشش کی کہ مامون کے بعد خلافت علویین کو مل جائے چنانچہ اس نے مامون کو آمادہ کیا کہ اپنے بعد علی بن موسیٰ الرضا ابن جعفر بن محمد بن علی بن الحسین کو خلیفہ نامزد کرے۔ مامون نے اسے منظور کر لیا اور اس کا اعلان کر دیا۔ جب یہ خبر بغداد میں ہاشمیوں کو معلوم ہوئی تو انہوں نے اس اعلان کی مخالفت کی اور کہا کہ خلافت آل عباس سے دوسرے خاندان میں منتقل نہیں ہو سکتی اور یہ برہمی یہاں تک بڑھ گئی کہ لوگوں نے مامون کے چچا ابراہیم ابن المہدی کی خلافت کا اعلان کر دیا، اور مامون کے پاس ایک تحریر بھیجی جس میں اس کو ہدایت کی گئی تھی کہ اگر وہ اپنے ارادہ پر قائم رہا تو مار ڈالا جائیگا۔ فضل بن ربیع نے ان تمام اطلاعات کو مامون سے پوشیدہ رکھا کہ مبادا وہ سنکر ڈر جائے اور اس اعلان کو منسوخ کر دے اتفاقاً علی الرضا کو بھی یہ تمام حالات معلوم ہوئے اور انہوں نے گوارا نہیں کیا کہ محض ان کی وجہ سے یہ تمام فساد برپا ہو اس لئے وہ خود مامون کے پاس گئے اور بغداد کی جو حالت تھی صحیح صحیح بیان کر دی مامون کو یہ سنکر تعجب ہوا اور بولا کہ مجھے تو صرف یہ خبر دی گئی ہے کہ ابراہیم میری غیبت میں وہاں کا گورنر بنا دیا گیا ہے علی الرضا نے فرمایا کہ "فضل نے جھوٹ کہا ہے" اب مامون کو معلوم ہوا کہ فضل نے جو کچھ مدد کی تھی وہ کس غرض سے تھی۔ اس لئے اس نے چند آدمی مقرر کر کے فضل کو قتل کرا دیا۔ اس کے بعد اس کو فکر ہوئی کہ بغداد والوں کی برہمی کیونکر دور کرے، وہ اپنے اعلان کو واپس بھی نہ لینا چاہتا تھا اور بصورت دیگر اپنی جان اور خلافت دونوں کی طرف سے اندیشہ تھا، لیکن وہ اس فکر میں زیادہ عرصہ تک مبتلا نہیں رہا یعنی اتفاق سے اسی زمانہ میں علی الرضا کا بھی وصال ہو گیا اور یہ جھگڑا بالکل مٹ گیا شیعوں کا دعویٰ ہے کہ مامون نے علی الرضا کو زہر دلوا دیا لیکن اس کا کوئی تاریخی ثبوت نہیں

جب مامون بغداد پہنچا تو لوگوں کی ساری برہمی دور ہو گئی اور پھر نظام سلطنت اپنی حالت پر آ گیا تاہم خانہ جنگیوں اور سیاسی پیچیدگیوں سے مامون کو فرصت نہیں ملی اور علویین ہر چند منتشر کر دیئے گئے تھے لیکن پھر بھی وہ نیش زنی کیا کرتے تھے اور مامون کو اطمینان سے نہ بیٹھنے دیتے تھے۔

مامون کے بعد معتصم خلیفہ ہوا اور اس کے بعد واثق پھر متوکل، جب متوکل خلیفہ ہوا تو اس نے علویین کی سرکوبی میں کوئی دقیقہ کوشش کا اٹھا نہیں رکھا اور اسی کے عہد میں حقیقتاً ایرانیوں کا دور ختم ہو کر ترکوں کا اقتدار شروع ہوا۔

خلفائے عباسیہ کی رازداری

آل عباس اپنے راز کو چھپانے میں خاص طور سے مشاق و مشہور تھے، جس کو قتل کرنا چاہتے تھے اس کو آخر وقت تک خبر نہ ہوتی تھی اور ہمیشہ اپنے دشمنوں کو ڈھیل دے کر تباہ کرتے تھے منصور کا طرز عمل ابو مسلم وغیرہ کے ساتھ رشید کا آل برمک کے ساتھ امین کا فضل بن سہل کے ساتھ اس کی کافی شہادت ہے۔ علاوہ اس کے [redacted] جاسوسوں سے بھی بہت کام لیتے تھے۔ کوئی خلیفہ آل عباس میں ایسا نہیں گزرا جس نے اپنے وزراء و عمال وغیرہ کے کاموں پر جاسوس مقرر نہ کئے ہوں۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ خود ایک شخص کا غلام اس کے خلاف جاسوسی کی خدمت انجام دیا کرتا تھا اسی طرح خود خاندان خلافت میں ایک دوسرے کے حرکات کی نگرانی کیا کرتا تھا مامون و امین کے بہت سے جاسوس تھے جو رشید کے متعلق انہیں خبریں پہنچایا کرتے تھے مامون کا جاسوس مسرور

تھا اور امین کا جاسوس جبرئیل ابن بختشوع (طبیب) تھا۔ یہ لوگ رش
کے حالات سے مامون ۔ امین کو باخبر رکھتے تھے جب مامون خلیفہ ہوا ت
نے ابراہیم ابن المہدی کے خلاف بہت سے جاسوس مقرر کئے اور ایک ای
شخص متعین کیا جو تمام باتیں اس تک پہنچایا کرتا تھا' اسی طرح دشمن کو ہلاک کر
کے بھی عجیب وغریب طریقے اختیار کئے' کبھی معلوم ہوتا تھا کہ اتفاقیہ مو
آگئی' کبھی پتہ چلتا تھا کہ کسی نے زہر دیدیا کسی کی نسبت تحقیق ہوتی تھی ک
کے دشمنوں نے ہلاک کر ڈالا' اور خلیفہ وقت نے قاتلوں کو سزائے موت د
حالانکہ یہ سب کچھ ہوتا تھا خود خلیفہ کی اشارہ وتحریک سے۔

اتراک

ہم ابھی بیان کر چکے ہیں کہ خلیفہ متوکل کے عہد سے ترکوں کو اقتدار حا
ہوا اور اس طرح خلفائے عباسیہ کا پہلا دور جس میں ایرانی النسل لوگوں کو
زیادہ عروج حاصل تھا ختم ہوگیا۔ اب ہم یہاں ذرا تفصیل سے بیان کرنا چاہتے
ہیں کہ ترکوں کی اصلیت کیا ہے اور انہیں کیونکر خلفائے عباسیہ کے دربار میں
درخور حاصل ہوا۔

ترکوں کا اصلی وطن وسط ایشیا کا وہ سلسلۂ کوہ ہے جسے کوہستان الطائی
اور کوہستان زریں بھی کہتے ہیں' جس طرح روم والے اپنی ابتدا ایک شخص ر
ظاہر کرتے ہیں' اسی طرح ترکوں کے علم الاصنام میں بھی ان کی ابتداء ایک شخص
سے پائی جاتی ہے جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ اس نے ایک بھیڑیے کی مادہ کا دودھ
پیا تھا۔ جب وہ جوان ہوا تو اس نے اپنی جماعت میں ایک محاربانہ روح پھونک د

ڈپ وجبار کی قوموں سے جنگ کرنا شروع کی جن میں خصوصیت کے ساتھ اہل چین تھے اس کے نتیجہ بیٹھے تھے جنہوں نے چینی مکانوں اور شہروں کو دیکھکر ویسے ہی مکان اور شہر آباد کرنے چاہے۔ لیکن ایک سردار نے کہا کہ ہم لوگ چینیوں کا دسواں حصہ بھی آبادی میں نہیں ہیں، اور ہماری قوت کا دار و مدار صرف آزادی ہے۔ جب ہم اپنے تئیں کافی قوی سمجھتے ہیں تو دوسروں پر حملہ کر دیتے ہیں، اور پھر اپنی اسی اصلی حالت پر لیکن شہر آباد کرنے کے بعد ہم ایک طائر کی طرح اس قدر اندر مقید ہو جائیں گے اور وہیں گرفتار کرلئے جائیں گے۔ اس رائے سے سب نے اتفاق کیا اور قریہ و شہر کی تعمیر کا خیال انہوں نے ترک کر دیا۔ قبل اسلام بالکل یہی حالت عربوں کی بھی تھی۔ غرض ترکوں کی جماعت اسی طرح آزاد اور وحشی رہی اور رفتہ رفتہ ان کی جماعت چار لاکھ نفوس تک بڑھ گئی، او پچاس سال تک چینیوں، ایرانیوں، اور اہل روم سے جنگ کرتے رہے جسٹینین کے زمانہ میں ان کے اور اہل رومہ کے درمیان ایک عہدنامہ ہوا، اور پھر اس کے بعد سے ان دونوں کے درمیان تعلقات صلح و آشتی عرصہ تک قائم رہے خاقان ویزابول کے زمانہ میں ان دونوں قوموں نے مشورہ کرکے سلطنت فارس پر حملہ کیا، اور اس سلسلہ میں وہ تمام ترکستان میں پھیل گئے، جہاں جا بجا شہر بھی انہوں نے آباد کئے۔

ترک اسلام کے بعد

جب ظہور اسلام ہوا اور اہل عرب ساری دنیا میں پھیلے ترکستان بھی اُن کے گھوڑوں کے قدموں سے نہ بچ سکا، اور انہوں نے عہد بنی امیہ میں سمرقند و بخارا وغیرہ فتح کر لیا آل عباس کا عہد آیا تو یہ تمام مقامات جزیہ و خراج ادا کرتے تھے اور

اسلامی حکومت کے تحت میں شمار کئے جاتے تھے۔ چونکہ خراج کے سلسلہ میں ترکستان سے لونڈیاں اور غلام بھی بھیجے جاتے تھے۔ اس لئے رفتہ رفتہ ان میں اسلام پھیلنا شروع ہوا اور ان کو جو بیگانگی تعلیمات اسلام سے اول اول تھی وہ آہستہ آہستہ دور ہوتی گئی

عہد عباسیہ میں ترکی فوج

سب سے پہلا خلیفہ جس نے ترکوں کو فوج میں بھرتی کرنا شروع کیا منصور تھا لیکن اس کے عہد میں ان کی جماعت بہت قلیل تھی اور کوئی سیاسی اہمیت انہیں حاصل نہ تھی، اس وقت صرف جماعت اعراب و اہل فارس بہت وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، جب ہارون الرشید کے عہد خلافت میں اعراب و اہل فارس کے درمیان سخت نفاق پیدا ہوگیا اور زوال امین کے ساتھ اعراب کی قوت کا بھی خاتمہ ہوگیا تو مامون کے عہد میں اہل فارس کی قوت بہت بڑھ گئی۔ کیونکہ اس کی ماں ایرانی النسل تھی لیکن مامون کا بھائی معتصم قبل خلیفہ ہونے کے بھی اس مسئلہ پر غور کیا کرتا تھا اور چونکہ اس کی ماں ترک تھی، اس لئے وہ بالطبع ترکوں کی طرف زیادہ مائل تھا، جب مامون کا انتقال ہوا تو معتصم نے اہل فارس کی بڑھی ہوئی قوت سے ڈر کر ترکوں سے مدد حاصل کرنی چاہی، جن میں اب تک وہی وحشیانہ عادت پائی جاتی تھی، اور جو حقیقتاً بہت جری اور پر جوش لوگ تھے۔ چنانچہ معتصم نے ایک مضبوط جماعت ترکوں کی فراہم کرنی شروع کی اور کئی ہزار کی تعداد میں جمع ہو گئے، ان کا ملبوس اس لئے نہایت قیمتی تجویز کیا، زریں پٹکے وردی میں شامل کئے اور اس طرح ان کو تمام دوسری فوجوں سے ممتاز کر دیا۔ رفتہ رفتہ ان کی تعداد اس قدر

بڑھ گئی کہ بغداد کی محدود فضا ان کے لئے تنگ آنے لگی۔ اور یہ لوگوں پہ جبر و ظلم کرنے لگے جب ترکوں کی زیادتی رعایا پر بہت بڑھ گئی۔ تو ایک دن جب معتصم کسی تقریب میں باہر موجود تھا ایک ضعیف آدمی اٹھ کھڑا ہوا اور معتصم کو ابو اسحاق کہکر مخاطب کیا۔ سپاہیوں نے چاہا کہ اس گستاخی کی سزا دیں لیکن معتصم نے روکا، اور اس کا مدعا پوچھا، اس نے کہا۔ "خدا تجھے بہ حیثیت ہمسایہ ہونے کے کبھی نیک عوض نہ دے، تو نے ان وحشی ترکوں کو ہمارے درمیان آباد کر دیا ہے اور اس طرح ہمارے بہت سے بچوں کو یتیم اور سیکڑوں عورتوں کو بیوہ بنا دیا ہے۔" معتصم یہ سنکر اپنے قصر میں واپس چلا گیا اور جب اگلے سال نماز عید کے لئے باہر آیا تو بغداد واپس نہیں گیا بلکہ فوج کے قیام کے لئے جگہ تلاش کرنے باہر نکل گیا، اس غرض کے لئے اسے ایک مقام جس کا نام سامرا تھا پسند آیا اور اسی وقت سے اس کا نام سُرّ من رائے (جس نے دیکھا خوش ہوا) قرار پایا، اس میدان میں اس نے فوج کے لئے ایک جگہ مخصوص کر کے مکانات بنوانے شروع کئے، اور رعایا کے ہر طبقہ کے لئے علیحدہ علیحدہ ٹکڑے زمین کے متعین کر کے تعمیر شروع کرا دی چونکہ خلیفہ معتصم نے بغداد کا رہنا ترک کر دیا تھا اس لئے سمرا آباد ہونے لگا، اور چند دن میں بہت پُر رونق مقام ہو گیا، سمرا ۲۲۱ھ سے ۲۷۹ھ تک خلفائے عباسیہ دار الامارۃ رہا جب معتمد کا زمانہ آیا تو وہ پھر بغداد میں رہنے لگا۔

معتصم نے ترکوں کی فوج کو جنہیں ملوک کہتے تھے مختلف دستوں میں تقسیم کر دیا اور ہر دستہ کا ایک جدا افسر مقرر کیا۔ رفتہ رفتہ ترکی شہزادے اور امراء بھی ترکستان سے آ کر یہاں آباد ہونے لگے اور اس طرح ترکوں کی اہمیت بہت بڑھ گئی، بعض ترک بت پرست اور آتش پرست تھے اور بعض مسلمان ہو گئے تھے لیکن آہستہ آہستہ اُن میں اسلام زیادہ قوت کے ساتھ پھیلنے لگا اور قریب قریب سب اسلام لے آئے،

معتصم چاہتا تھا کہ یہ جماعت اپنی خصوصیات قومی کو برباد نہ کرے اس لئے اس نے ترکی لونڈیاں خرید کے فوج کو مجبور کیا کہ وہ ان سے شادیاں کرے اور دوسری مسلمان قوموں میں شادی کرنے کی سخت ممانعت کر دی، ان لونڈیوں کی ماہوار تنخواہیں مقرر کیں۔ ان کی فہرست اسم وار تیار کرائی تاکہ کوئی ترک اپنی بیوی کو طلاق نہ دے سکے[1]

ترکی فوج اور اس کا اثر

اس طرح ترکوں کی قوت اور ان کا اثر بڑھتا گیا خصوصیت کے ساتھ بابک الخرمی کو شکست دینے اور عموریہ لے لینے کے بعد تو ان کا اقتدار سلطنت کے معاملات میں بہت وسیع ہو گیا، اسی کے ساتھ دولت عباسیہ کی بھی یہ حالت تھی کہ اس کا زمانہ عروج ختم ہو گیا تھا اور انحطاط شروع تھا خلفاء لہو و لعب سیر و تفریح میں زیادہ وقت صرف کرنے لگے تھے اور معاملات سلطنت کی طرف سے بالکل بے پروا تھے۔ چونکہ ترکوں کی قوت بہت بڑھ گئی تھی۔ اس لئے خلیفہ بننا اور قائم رہنا صرف ان ہی کی عنایت پر منحصر تھا اور یہ بغیر طمع کے کچھ نہ کرتے تھے۔

دولت عباسیہ کے ابتدائی زمانہ میں فوجی جماعت یمنی مضری اعراب اور فارسیوں پر مشتمل تھی، اور ان لوگوں نے آل عباس کی مدد صرف اس لئے کی تھی کہ انہیں بنو امیہ سے بدلہ لینا مقصود تھا۔ رفتہ رفتہ جب فارسیوں کو زیادہ اقتدار حاصل ہو گیا تو انہیں لوگوں میں سے وزیر وغیرہ منتخب ہونے لگے اور صوبوں کی گورنری بھی انہیں کو دی گئی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اکثر گورنر اپنی اپنی جگہ خود مختارانہ حیثیت سے

[1] یعقوبی تقویم البلدان ۳۴

حکومت کرنے لگے اور خلافت عباسیہ کے زیر اثر بہت سے حکمران خاندانوں کی بنیاد پڑ گئی۔

جب معتصم خلیفہ ہوا تو اس نے ترکوں کی حمایت کی اور ان کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا کہ تمام بڑے بڑے عہدہ دار اسی جماعت سے منتخب ہونے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تشیع سخت کمزور ہو گیا اور اعناف کا اثر بہت قوی ہو گیا۔ چونکہ متوکل بھی شیعان علی سے سخت بیزار تھا اور ان کو بالکل نیست و نابود کرنا چاہتا تھا اس لئے اس نے اور بھی ترکوں کی طرفداری شروع کی اور اس طرح ان کے اثر کو حد سے زیادہ بڑھا کر خود اپنے لئے سخت خطرہ پیدا کر لیا۔

جب متوکل کے بیٹے منتصر نے ترکوں کے ہاتھ سے اپنے باپ کو قتل کرا کے خلافت حاصل کی تو یہ پہلا موقع تھا کہ ترکوں نے خلیفہ پر حملہ کیا ہو منتصر صرف چند مہینے حکومت کر سکا اس کے بعد ۲۴۸ھ میں مستعین خلیفہ ہوا اور اس کے بعد ۲۵۱ھ[1] میں معتز ان کے زمانہ میں ترکوں کا اثر بہت زیادہ ہو گیا جس کا پتہ ذیل کے واقعہ سے اچھی طرح چل سکتا ہے۔

جب معتز خلیفہ ہوا تو اس کے درباریوں نے ایک جلسہ میں نجومیوں کو جمع کر کے دریافت کرنا چاہا کہ اس کا عہد خلافت کتنے عرصہ تک رہے گا وہیں کوئی ظریف بھی بیٹھا ہوا تھا اس نے کہا کہ مجھے ان تمام نجومیوں سے زیادہ وثوق کے ساتھ یہ بات معلوم ہے جب لوگوں نے پوچھا تو اس نے کہا "جب تک ترک چاہیں گے!"[2] چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ معتز کو انہوں نے بہت بری طرح قتل کر ڈالا۔ پھر بھی ایک معتز ایسا خلیفہ نہیں تھا جس کے ساتھ ترکوں نے یہ سلوک کیا ہو بلکہ اور بھی کئی خلیفہ ان کے ہاتھوں سے ذلیل اور ہلاک ہوئے مکتفی کو انہوں نے اندھا کر کے قید کر دیا۔ یہاں تک کہ وہ مر گیا۔ قاہر کو قید میں ڈال کر اس قدر ذلیل کیا کہ صرف ایک جبہ روئی کا اس کے پاس تھا الغرض ترکوں کی قوت کا یہ عالم ہو گیا کہ پہلے یہ خلیفہ کی اطاعت کا

---

[2] فخری ۲۲۰

حلف لیا کرتے تھے اور اب خود خلیفہ ان کی اطاعت کا حلف لینے لگا۔

غلاموں کی جماعت اور اس کے اثرات

دولت عباسیہ میں سب سے پہلا وہ غلام جس نے ترقی حاصل کی مسرور تھا لیکن اس کی ترقی بھی ایک خاص دائرہ کے اندر محدود تھی رشید کے بعد سب سے پہلا خلیفہ جس نے غلاموں کی زیادہ قدر کی اور خواجہ سراؤں کو بڑی بڑی قیمتیں دے کر حاصل کیا امین تھا، وہ ہمیشہ انہیں سے سارے کام لیتا تھا اور انہیں کے ذریعہ سے احکام جاری ہوتے تھے۔ ان میں ایک خاص طبقہ جرادی کے نام سے موسوم تھا اور دوسرا حبشیوں کا طبقہ غرابی کے نام سے۔

امین کا شغف غلاموں کے ساتھ کسی خاص ملکی یا سیاسی مصلحت کی بنا پر نہ تھا، بلکہ محض تفریح اور عیش و نشاط کے سلسلے میں تھا مامون، معتصم اور واثق کے زمانہ میں خواجہ سراؤں کو کوئی اقتدار حاصل نہیں ہوا جب متوکل کے زمانہ میں اور اس کے بعد ترکوں کو عروج حاصل ہوا اور خلفاء کی موت و زیست ترکوں کے ہاتھ میں آگئی تو خواجہ سراؤں اور غلاموں کے ساتھ خلفاء کی خصوصیت بڑھنے لگی کیونکہ قصر کے اندر انہیں سے ہر وقت واسطہ رہتا تھا اور انہیں کی امداد کا انہیں سہارا تھا، یہ لوگ اپنے آقا کے ساتھ بہت وفاداری کرتے تھے اور سیاسی و ملکی معاملات سے کوئی واسطہ نہ رکھتے تھے، چنانچہ رفتہ رفتہ خلفاء کا یہ دستور ہو گیا کہ وہ غلاموں کی تعداد بڑھانے لگے اور انہیں سے تمام معاملات میں مشورہ لینے لگے اور رفتہ رفتہ ان کو اس قدر عروج حاصل ہوا کہ انہیں کو فوج کی سیادت اور صوبوں کی گورنری بھی ملنے لگی۔

جب غلاموں کی تعداد بڑھنے لگی تو ان کے بہت سے مدارج قائم کئے گئے اور ہر ملک کے لحاظ سے ان کے الگ الگ نام رکھے گئے۔ ان میں یونانی بھی تھے، اور ترکی بھی، حبشی بھی تھے اور عربی بھی، فوجوں کی طرح ان کے بھی گویا الگ الگ دستے مقرر تھے، اور معقول تنخواہیں ان کو دی جاتی تھیں۔

ان غلاموں سے مراد وہ جماعت تھی جو خلفاء اور گورنروں کے قصر میں خانگی کاموں پر مامور ہوتی تھی، یہ تاجروں سے خریدے جاتے تھے، اور ان میں سے اکثر کوئی نہ کوئی فن و ہنر ضرور جانتے تھے، ان کی قیمتیں ان کے اکتسابات کے لحاظ سے کم و بیش ہوتی تھیں، اور اسی اعتبار سے ان کا حق الخدمت مقرر کیا جاتا تھا، ان سے حفاظت قصر کا کام بھی لیا جاتا تھا، اور خدمات کی حیثیت سے ہر جماعت الگ نام سے موسوم تھی۔ جب خلفاء نے ان سے خود اپنی جان کی حفاظت کا کام لینا شروع کیا تو ان کی حیثیت باڈی گارڈ کی سی ہو گئی اور ان کا اقتدار رفتہ رفتہ اس قدر بڑھ گیا کہ خلیفہ کی ہستی بیکار ہو گئی۔ یہ جو چاہتے خلیفہ کو مجبور کر کے کرا لیتے، ورنہ اسے قید کر دیتے۔

خواجہ سراؤں کی جماعت حریم کے لئے مخصوص تھی اور ان میں سے اکثر حبشی ہوتے تھے، بغداد کے لوگ ان کے ساتھ تمسخر کیا کرتے تھے اور انہیں مختلف ناموں سے پکار کر ان کی توہین کیا کرتے تھے، جب ان لوگوں کو زیادہ ستانے لگے تو انہوں نے خلفا سے شکایت کرنی شروع کی۔ چنانچہ معتضد نے ایسے لوگوں کو سخت سزائیں دیں۔ بعض بعض خواجہ سرا گورنری کے عہدے تک پہنچے۔

وہ وزرا و سردار جو غلام تھے

خلیفہ مقتدر رجب ۲۹۵ھ میں تخت نشین ہوا تو اس نے غلاموں کی تعد
کو بہت بڑھا دیا، اور ان کو بڑے بڑے عہدے تفویض کئے، اس کے پا
گیارہ ہزار غلام[1] تھے اس نے ۲۵ سال تک سلطنت کی اور اگلی شان
شوکت کو پھر زندہ کر کے دکھایا، اس کو غلاموں پر بڑا اعتماد تھا، اور اس نے بڑ
عہدے غلاموں کے سپرد کئے، اس کے عہد میں مونس نے (جو غلام تھا) بہت
اقتدار حاصل کیا۔ چونکہ مقتدر نے ترقی دے کر اپنا مشیر بنا لیا تھا۔ اس لئے وہ رفتہ
رفتہ امیر الامرا کے معزز عہدے تک پہنچ گیا، سارا خزانہ اس کے قبضہ میں تھا اور تما
ملکی معاملات اسی کی رائے سے طے ہوتے تھے، اتفاق سے مقتدر اور مونس کے در
کچھ کشیدگی ہوئی اور دونوں میں باہم جنگ ہوئی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقتدر ہلاک ہوا ا
مونس کامیاب۔ معتضد کے عہد میں بدر ایک غلام تھا جو فوج کا جنرل بنایا گیا، ا
تلواروں اور ڈھالوں پر اس کا نام کندہ ہوا، اس نے اپنے آقا کے ساتھ بہت وفا
کی، اور آخر اپنے آقا کی حفاظت میں ۲۸۹ھ میں ہلاک ہوا[2]۔

بجکم بھی غلام ہی تھا جو امیر الامرا کے درجہ تک پہنچا[3]۔

جوہر جو فاطمین کا جنرل اور فاتح مصر تھا اور جس نے قاہرہ کی بنیاد ڈالی
یونانی غلام تھا، اس کی عزت کا یہ عالم تھا کہ جب وہ مصر فتح کرنے کے لئے روانہ ہو
خود خلیفہ معتضد نے پیادہ ہو کر اس کو دور تک رخصت کیا اس سے قبل کافو
اخشیدی جو ایک حبشی خواجہ سرا تھا، مصر میں خود مختارانہ حکومت کر رہا تھا۔ یونس
مونس کا غلام اور خواجہ سرا تھا کئی صوبوں کا گورنر رہا۔

---

[1] فخری ۲۳۲ [2] اثیر ۷-۲۰۵ [3] اثیر ۸-۱۳۲

برجوان خواجہ سرا عہد فاطمیین میں وزارت کے عہدے تک پہنچا اور امین الدولہ کا خطاب اس نے حاصل کیا[1]

قراقوش خواجہ سرا سلطان صلاح الدین ایوبی کا وزیر تھا عمید الملک جو ایک ترکی جنرل تھا خواجہ سرا ہی تھا۔

غرض غلاموں اور خواجہ سراؤں نے نہ صرف دولت عباسیہ کے زمانہ میں بلکہ سلجوقیوں، فاطمیوں، ایرانیوں اور تمام دوسری اسلامی سلطنتوں کے عہد میں بڑی بڑی ترقیاں حاصل کیں اور معزز ترین عہدے ان کو دیئے گئے۔

عورتوں کے اثرات

یوں تو ہر زمانہ میں مردوں کے تمام کاموں پر خواہ کسی ملک و قوم کے ہوں عورتوں کا اثر رہا ہے لیکن جن ملکوں میں حکومت صرف ایک شخص کے قبضہ و اختیار میں تھی اور ہے، وہاں عورتوں کے اثرات بہت زیادہ قوی ہوجاتے ہیں، اسلام میں ہرچند اس قسم کی تعلیمات ہیں جو انتظام سلطنت میں عورتوں کے اثرات کو گھٹانے والی ہیں لیکن دولت عباسیہ میں نسوانی قوت و اثرات کی متعدد مثالیں ملتی ہیں۔

عورتوں کے طبقہ میں سب سے پہلا اثر جسے خلفاء قبول کرتے تھے وہ ان کی ماؤں کا ہوتا تھا، جو یقیناً ایک فطری امر ہے، ہرچند دولت عباسیہ کی ابتداء میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی، لیکن عہد وسطیٰ میں جب خلفا کمزور و ضعیف ہو کر محلوں کے اندر رہنے لگے، اور بالکل غلاموں کے اعتماد پر اپنے تئیں چھوڑ دیا تو نسوانی اثرات ان پر زیادہ مستولی ہو گئے۔

---

[1] اثیر ۹-۴۹

سب سے پہلی وہ عورت جس نے گویا خودمختارانہ حیثیت سے کام کیا خیزران (ہادی اور رشید کی ماں) تھی، اپنے شوہر مہدی کے زمانہ میں گویا اس نے حکومت کی، کیونکہ مہدی اس کی بے انتہا اطاعت کرتا تھا، اور دونوں بیٹے اپنی ماں کے خوف سے کانپا کرتے تھے۔ جب مہدی کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا ہادی خلیفہ ہوا تو خیزران نے چاہا کہ اب بھی میں اسی طرح حکومت کروں، جب تمام افسران و سرداران وغیرہ پہلے کی طرح صبح و شام اس کے قصر پر حاضری دینے لگے، اور اسی طرح چار مہینے گزر گئے ہادی نے کچھ اس طرز عمل کو پسند نہیں کیا ایک دن خیزران نے ہادی سے کوئی درخواست کی لیکن اس نے انکار کیا، اس پر خیزران نے کہا "تمہیں ایسا کرنا پڑیگا۔ کیونکہ میں عبداللہ بن مالک سے وعدہ کرچکی ہوں" ہادی نے جواب دیا "میں جانتا ہوں عبداللہ بن مالک کی یہ خواہش ہے، لیکن میں تمہاری خواہش سے کبھی اسے پورا نہ کروں گا" خیزران بولی کہ "میں اب تم سے کوئی خواہش کبھی نہ کروں گی" اور یہ کہہ کر برہمی کی حالت میں جانے لگی، لیکن ہادی نے اُسے روک کہا "یہ صبح و شام تمہارے مکان پر لوگ کیوں جمع ہوتے ہیں کیا تمہیں گھر کا کوئی کام نہیں ہے کیا تمہارے پاس کلام مجید نہیں کہ اسے پڑھا کرو، یا کوئی چرخہ نہیں کہ سکون سے بیٹھی چلایا کرو، یاد رکھو کہ اب اگر تمہارے پاس کوئی شخص گیا، تو میں اس کو قتل کرادوں گا، اور اس کا مال ضبط کرلوں گا" جب خیزران چلی گئی تو ہادی نے تمام امراء کو جمع کر کے سوال کیا "مجھ میں، تم میں اور میری ماں اور تمہاری ماں میں کون بہتر ہے" سب نے جواب دیا "خلیفہ اور اس کی ماں یقیناً بہتر ہے" ہادی نے کہا تم میں سے کون اس کو پسند کرتا ہے کہ اس کی ماں کا ذکر کیا جائے، سب نے کہا "کوئی نہیں" خلیفہ بولا کہ "پھر تم لوگ کیوں میری ماں کے پاس آتے ہو اور اس کے افعال و حرکات کا ذکر کرتے ہو" جب انہوں نے نمایۂ کی یہ گفتگو سنی تو سب نے خیزران کے پاس جانا بند کردیا۔ جس کا بدلہ خیزران

لی اس طرح لیا کہ جس وقت ہادی نے اپنے بھائی کی خلافت کو منسوخ کر کے اپنے بیٹے جعفر کے لئے عہد ولایت لینا چاہا تو اس نے اپنی چند لونڈیاں بھیج کر ہادی کا سر تن سے جدا کرا لیا۔ جب رشید کا عہد شروع ہوا تو خیزران کی آزادی پھر بڑھنے لگی، اور اس نے بڑی دولت جمع کر لی، اس کی آمدنی ۱۶ کروڑ درہم سالانہ تھی، جو ساری سلطنت کی تقریباً نصف محاصل زمین کے برابر تھی، اسی طرح اور خلفاء کے عہد میں بھی نسوانی اثرات بڑھے ہوئے تھے مقتدر کی ترکی ماں جسے السیدہ کہتے تھے اپنے بیٹے کے عہد میں معاملات سلطنت میں بہت حصہ لیتی تھی، اور اس کا سیاسی اثر اس قدر زبردست تھا کہ تمام وزراء و اراکین اس کے نام سے ڈرتے تھے۔ مستعین کی ماں بھی اسی طرح بڑی صاحب اقتدار تھی مستعین نے سلطنت کا سارا انتظام اس کے سپرد کر دیا تھا اور وہ اتامش شاہک دو ترکی سرداروں کی اعانت سے تمام نظم و نسق کو انجام دیتی تھی، سلطنت سے جو کچھ روپیہ حاصل ہوتا تھا وہ قریب قریب ان تینوں آدمیوں کے خزانوں میں جاتا تھا مقتدر کے زمانہ میں نسوانی اقتدار بہت بڑھ گیا تھا السیدہ کے مقتدر کی خالہ ام موسیٰ الہاشمیہ بھی بہت ذی اثر تھی یہ دونوں بہنیں علانیہ رشوت لیتی تھیں، اور جو چاہتی تھیں، کرتی تھیں ام موسیٰ نے یہاں تک کیا کہ اس نے خلافت کا وعدہ ایک اور عباسی شخص سے کر دیا جو اس کا سسرالی رشتہ دار تھا[۱] اور اس غرض کے لئے اس نے تمام امراء اور سرداران فوج کو رشوتیں دینی شروع کیں لیکن جب مقتدر کو یہ خبر معلوم ہوئی تو اس نے ام موسیٰ کو قید کر دیا۔

دولت عباسیہ کا انحطاط

دولت عباسیہ کا عہد زریں اس کا صرف ابتدائی زمانہ اور خصوصیت کے

---

[۱] تاریخ الخلفاء ۳۶۷

ساتھ رشید اور مامون کا عہد تھا، اور واقعہ سے انکار ہوگا، اگر اس سلسلہ میں آلِ برمک کی تعریف نہ کی جائے، اور یہ سارا امتیاز ان کو نہ دیا جائے۔ اس وقت آلِ عباس کی قوت بہت بڑھ گئی تھی، اور ان کا اثر قریب قریب ساری دنیا پر تھا مشرق میں ہندوستان تک مغرب میں بحر اطلانتک تک شمال میں سائبیریا تک اور جنوب میں بحرِ ہند اور حبلاونوبہ تک آلِ برمک کے بعد ترکوں کا اقتدار شروع ہوا اور امن و سکون رخصت ہوگیا، علی الخصوص متوکل کو قتل کرنے کے بعد تو ترکوں کی ہمت اس قدر بڑھ گئی کہ پھر ان کے ظلم و ستم یا جبر و تعدی کی کوئی انتہا نہ رہی اور خلفا کا وجود بالکل برائے نام رہ گیا۔ ہر چند تمام احکام خلیفہ ہی کی طرف سے شائع ہوتے تھے لیکن حقیقتاً وہ احکام ان سرداروں یا وزیروں اور دیگر ذی اثر لوگوں کے ہوتے تھے جو خلیفہ سے اپنی خواہش کے مطابق ہر کام کرلیتے تھے۔ چونکہ سلطنت میں ہر وقت انقلاب و تغیر کا اندیشہ رہتا تھا اس لئے ہر شخص جس کو موقع ملتا تھا یہی فکر کرتا تھا کہ کسی طرح دولت جمع کرلے، کیونکہ معلوم نہیں سال آئندہ کیا صورت پیش آئے۔

الغرض ہر شخص اپنی تمام قوت کے ساتھ لوگوں کو لوٹنے اور جبر و ظلم سے مال جمع کرنے میں مصروف نظر آتا تھا اور چونکہ خلفا کو اس کا علم تھا، اس لئے وہ کسی نہ کسی موقع سے بڑے بڑے جرمانے کرکے وزرا اور ارکین سے وہ رقم وصول کرلیا کرتے تھے چنانچہ رفتہ رفتہ جرمانہ کرنے کا رواج اس قدر بڑھ گیا کہ اس سے عام ملازمین اور رعایا بھی نہ بچ سکی، گویا خلیفہ اور امرا کے لئے یہی ایک ذریعہ حصول دولت کا رہ گیا تھا خلیفہ وزیروں سے جرمانہ وصول کیا کرتا تھا وزیر گورنروں سے اور گورنر رعایا سے۔

وزیر ابن الفرات کا بیان ہے کہ اس سے جس قدر جرمانہ وصول کیا گیا، اس کی

مقدار ایک کروڑ دینا ہے لیکن یہ رقم اس کے پاس سے نہیں گئی کیونکہ یہ وہی رقم تھی جو اس نے الحسین ابن عبد اللہ الجوہری سے وصول کی تھی اگر کسی شخص پر جرمانہ کیا جاتا تھا اور وہ یکمشت ادا نہ کر سکتا تھا' تو وہ بالاقساط ادا کرتا تھا اور ادائے جرمانہ کے لئے اس کو مدد بھی دی جاتی تھی یعنی وہ اپنے عہدے پر بحال رکھا جاتا تھا' تاکہ وہ دوسروں سے بآسانی کے ساتھ یہ رقم وصول کر کے خلیفہ کو ادا کر سکے۔

ابونصرات نے راضی کے زمانہ میں جس قدر رقم جرمانہ وغیرہ سے وصول کی اس کی فہرست بہت طویل ہے اور کروڑوں دینار تک پہنچتی ہے۔

ایک وزیر صرف سال دو سال کا مہمان ہوا کرتا تھا اور اس کے بعد معزول کر دیا جاتا تھا لیکن وہ اس مدت میں کروڑوں دینار جائداد ارضی و غیر ارضی نہایت کثیر مقدار میں پیدا کر لیتا تھا' کوئی گورنر ایسا مقرر نہ ہوتا تھا جو وزیر کو ایک خطیر رقم نہ ادا کرے۔ مقتدر کے وزیر خاقانی نے ایک دن میں انیس ناظر کوفہ کے مقرر کئے اور ہر ایک سے رشوت لی' اگر کوئی گورنر یا عامل رشوت کی رقم یکمشت ادا نہ کر سکتا تھا تو وہ کچھ نقد دیدیا کرتا تھا اور باقی بالاقساط ادا کیا کرتا تھا' خلفاء اس طرز عمل سے آگاہ تھے لیکن کچھ نہ کر سکتے تھے

دولت عباسیہ کا تجربہ

ظاہر ہے کہ جب بادشاہ کسی سلطنت کا اس قدر مجبور ہو جائے گا تو انتظام کی کیا حالت ہو گی' اور ملک میں کس قدر بدامنی بڑھے گی' چنانچہ یہی حشر ہوا کہ دولت

عباسیہ کا یہی کہ جب انتظام کی ابتری اس حد تک پہنچ گئی اور چاروں طرف خانہ جنگی شروع ہوگئی، تو گورنروں کے اندر خود مختارانہ حیثیت سے حکومت کا ولولہ پیدا ہوا، چنانچہ عہد عباسیہ میں سب سے پہلا گورنر جس نے اپنی خود مختارانہ حیثیت کا اعلان کیا وہ شمالی افریقیہ کا گورنر ابراہیم بن الاغلب تھا، اس نے ۱۸۴ھ میں خود مختاری کا اعلان کیا (جو رشید کا زمانہ تھا) اس لئے اس کی وجہ ہم خلفائے عہد کی کمزوری قرار نہیں دے سکتے۔ چونکہ یہ صوبہ دارالخلافت سے بہت دور واقع تھا اس لئے اس کو ایسی جرات ہوئی، وہ گورنر جنہوں نے خلفاء کی کمزوری اور دولت عباسیہ کے انحطاط سے فائدہ اٹھا کر خود مختار حکومتوں کی بنیاد ڈالی فارسی، ترک اور کرد تھے، ذیل میں ان فارسی خاندانوں کی فہرست ہے جنہوں نے اپنی حکومتیں جداگانہ قائم کرلیں۔

نام خاندان	صوبہ	زمانہ حکومت	بانی حکومت
طاہریہ	خراسان	۲۰۵-۲۵۹ھ	طاہر بن الحسین
صفاریہ	فارس	۲۵۴-۲۹۰ھ	یعقوب بن اللیث
سامانیہ	ماوراءالنہر	۲۶۱-۳۸۹ھ	نصر بن احمد
ساجیہ	آذربائیجان	۲۶۶-۳۱۸ھ	ابوالساج
زیاریہ	جرجان	۳۱۶-۴۳۴ھ	مرداویج بن الزیار

اس فہرست کے دیکھنے سے دو باتیں معلوم ہوتی ہیں ایک تو یہ کہ ایران کس طرح مختلف ریاستوں میں منقسم ہوگیا، اور دوسرے یہ کہ ان ریاستوں کا زمانہ سیادت بہت کم رہا، اس کی وجہ یہ ہے کہ اسی زمانہ میں علویین کو پھر کچھ ترقی نصیب ہوئی اور شیعیان علی نے ایران میں ایک بڑی سلطنت کی بنیاد قائم کر کے ان ریاستوں کو فنا کر دیا۔ ہر چند اس سلطنت کی بنیاد و ترقی دیلمیوں کی وجہ سے ہوئی لیکن

حکومت و سلطنت کے حقوق خاندان بویہ کے لوگوں کو ملے جو ایرانی تھے
رشید کے زمانہ سے علویین کوشش میں تھے کہ اپنا اثر اس حصۂ ملک میں پیدا کریں اور چونکہ اہل فارس کو پہلے ہی سے علویین کے ساتھ شغف تھا اس لئے آخرکار تیسری صدی کے آخر میں الحسین ابن علی کو جو خاندان حسین میں سے تھے کامیابی حاصل ہوئی خاندان بویہ کا مورث اعلےٰ ایک شخص بویہ نامی تھا جسے ابو شجاع بھی کہتے تھے اس کے تین بیٹے تھے، ایک علی (جو بعد کو عماد الدولہ ہوا) دوسرا حسن (جو بعد کو رکن الدولہ کے لقب سے مشہور ہوا) اور احمد (جسے معز الدولہ بھی کہتے ہیں) بویہ ایک معمولی شخص تھا اور اس کے بیٹے فوج میں ملازم تھے۔

عماد الدولہ، زیاری خاندان کے بانی مرداویج کی ملازمت میں تھا اور اس نے اس قدر ترقی حاصل کی کہ رفتہ رفتہ جارجیہ کا گورنر ہوا، کچھ زمانہ کے بعد اس کی امارت اس حد تک بڑھ گئی کہ اس نے عباسی الراضی کو لکھا کہ صوبۂ فارس اس کی سپردگی و قبضہ میں دے دیا جائے، وہ ہر سال ایک معقول رقم دارالخلافہ کو بھیجتا رہے گا۔ خلیفہ اس پر راضی ہو گیا اور اسے خلعت وغیرہ روانہ کئے، اس کا بھائی جسے رکن الدولہ کہتے ہیں خوارزم پر قابض ہو گیا۔ یہ دونوں بھائی اپنے تیسرے بھائی معز الدولہ کے ساتھ شیراز میں جمع ہوئے اور مستکفی کے عہد (۳۳۴ھ) میں بغداد آئے خلیفہ نے ان کی بہت عزت کی اور ہر ایک کو خلعت وغیرہ کے علاوہ وہ خطابات بھی عنایت کئے۔ جن کا ذکر آ چکا ہے، بعد کو معز الدولہ امیر الامراء کے معزز عہدہ پر مقرر کیا گیا، اور پھر ان تینوں بھائیوں کا اقتدار اس قدر بڑھ گیا کہ گویا سلطنت یہی کرتے تھے، جس خلیفہ کو چاہتے تخت سے اُتار دیتے اور جس کو چاہتے تخت نشین کر دیتے تھے، ان کے عہد میں ترکوں کا زور کم ہو گیا، اور شیعیان علی کا اقتدار بڑھ گیا۔ اور جب

امیر الامراء کا عہدہ عضد الدولہ کو ملا تو اس نے ملک کا لقب اختیار کیا بویہ خاندان ۳۲۰ھ سے ۴۴۷ھ تک قائم و حکمراں رہا۔

ترکوں کی حکمران ریاستیں

جس طرح فارسیوں نے گورنری کے عہدہ سے خود مختار ریاستیں قائم کیں۔ اسی طرح ترکوں نے بھی کیا، ذیل کے نقشہ سے ان کی ریاستوں کا زمانۂ قیام وغیرہ معلوم ہوگا۔

نام خاندان	مقام حکومت	قیام	نام بانی
طولونیہ	مصر	سنہ ۲۵۴-۲۹۲ھ	احمد بن طولون
ایلیکیہ	ترکستان	سنہ ۳۲۰-۵۶۰ھ	عبدالکریم ستق
اخشیدیہ	مصر	سنہ ۳۲۳-۳۵۸ھ	محمد الاخشید
غزنویہ	افغانستان و ہند	سنہ ۳۵۱-۵۸۲ھ	الپ تگین

کہا جاتا ہے کہ ترکی خاندانوں میں سب سے پہلے جس نے سلطان کا لقب اختیار کیا وہ محمود غزنوی تھا، لیکن اس کے سکوں سے اس کا ثبوت نہیں ملتا۔

خاندانِ سلجوق

جتنی ریاستوں کا ذکر ہوا۔ یہ سب سلطنت اسلام کی شاخیں تھیں

یعنی اس قسم کے تمام حکمران افرادِ سلطنت عباسیہ کے گورنر تھے جو بعد کو خود مختار ہو گئے، چونکہ اسی زمانہ میں ترکی ریاستیں بھی بن رہی تھیں، اس لئے اختلاف مذہب کے لحاظ سے ایرانی اور ترکی ریاستوں میں بہت تباین تھا اور وہ ایک دوسرے کو زک دینے کی کوشش کرتی رہتی تھیں۔ خاندان بویہ کی ترقی سے چوتھی صدی کے وسط میں عراق وفارس، شیعہ مذہب کا مرکز ہو گیا ▪ اور شیعیان علیؑ کو بہت ترقی ہوئی، اسی طرح مصر میں فاطمیین کے عروج سے تشیع کو زیادہ تقویت حاصل ہوئی، اسی کے ساتھ چونکہ خود دولت عباسیہ حالت زوال میں تھی اس لئے احناف کمزور ہوتے جاتے تھے، لیکن پانچویں صدی کے وسط میں سلجوقی خاندان کے عروج نے پھر احناف کی حالت درست کر دی۔

چونکہ اس خاندان کا مورث اعلیٰ ایک ترکی النسل شخص سلجوق تھا اس لئے یہ خاندان اس کے نام سے منسوب ہو گیا، اس خاندان نے دولت عباسیہ کی منتشر قوت اور پراگندہ ریاستوں کو پھر ملا دیا، اور خلافت عباسیہ کے تمام آداب ملحوظ رکھتے ہوئے ایک نہایت زبردست پرقوت سلطنت قائم کر دی۔

خاندان سلجوقیہ کا بانی سلجوق بن لیکاک، ترکستان کی کسی ریاست میں ملازم تھا۔ تب اس کو معلوم ہوا کہ دولت عباسیہ پارہ پارہ ہو گئی ہے اور اس کے دل میں ولولہ پیدا ہوا کہ وہاں جا کر تمام منتشر ریاستوں کو یکجا کر دے تاکہ پھر ایک مستحکم سلطنت قائم ہو جائے چنانچہ وہ مسلمان ہوا اور ایک بڑی فوج لے کر روانہ ہوا۔

راستہ میں جو جو مقامات اور صوبے آئے اُن کو فتح کیا اور اس طرح چند دنوں میں ایسی زبردست سلطنت کی بنیاد ڈال دی۔ جو افغانستان سے بحر روم تک پھیلی ہوئی تھی۔ اب تین اسلامی سلطنتیں ایک دوسرے کی رقیب تھیں، جن میں سے سب سے بڑی سلطنت مشرق کی طرف سلجوقیوں کی تھی، اس کے بعد مصر میں فاطمیئین کی اور پھر اسپین میں بنوامیہ کی۔

سلجوقیوں کے عہد حکومت میں ترکوں کی جماعت نہایت کثرت سے ایران، عراق، شام وغیرہ میں پھیل گئی اور اس طرح اُن کے اثرات تمام اسلامی دنیا میں قائم ہو گئے۔ عہد سلجوقیہ صرف اپنی فتوحات ملکی کی وجہ سے یادگار نہیں ہے بلکہ اپنے علم پروری کے لحاظ سے بھی قابل وقعت ہے۔ ملک شاہ سلجوقی کا زمانہ خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہے، جس کے عہد میں اس کے مشہور وزیر نظام الملک طوسی نے بہت سے مدارس قائم کئے اور تعلیم کے رواج دینے میں بہت کوشش کی۔ نظام الملک ہر چند کہ خود ایرانی النسل تھا۔ لیکن اس نے جس قدر مدارس، مساجد شفاخانے، وغیرہ بنوائے۔ وہ سب اپنے مالک و آقا کے نام سے منسوب کئے اور آخر وقت تک وہ سلجوقی خاندان کا خیر خواہ رہا۔

سلجوقیہ خاندان سے اور کئی خاندان ایسے نکلے، جن کی حکومتیں مختلف مقامات میں قائم ہوئیں۔ یہ تمام خاندان ہر چند اسی سلجوقیہ خاندان کے برگ و بار تھے۔ لیکن چونکہ ان کی حکومتیں اور ریاستیں الگ ہو گئی تھیں۔ اس لئے اُن کا جداگانہ ذکر کیا جاتا ہے۔

ذیل کی فہرست سے معلوم ہوگا کہ یہ خاندان کہاں کہاں حکمراں تھے اور کب تک ان کی حکومت قائم رہی۔

۱	خاندان سلاجقہ عظام	۴۲۹-۵۵۲ھ
۲	سلاجقۂ کرمان	۴۳۳-۵۸۳ھ
۳	سلاجقۂ شام	۴۸۷-۵۱۱ھ
۴	سلاجقۂ عراق وکردستان	۵۱۱-۵۹۰ھ
۵	سلاجقۂ ایشیائے کوچک	۴۷۰-۷۰۰ھ

اس فہرست کے دیکھنے سے معلوم ہوگا کہ سلجوقیوں کی حکومت تقریباً تین صدی تک قائم رہی جس کے حدود چین سے لے کر شام تک وسیع تھے۔

خاندان اتابک

سلجوقیوں کی عادت تھی کہ وہ گورنری کے عہدے زیادہ تر اپنے مدہاریوں کو دیتے تھے جنہیں اتابک کہتے تھے، انہوں نے بھی رفتہ رفتہ خود مختارانہ حیثیت اختیار کرلی، اور تمام سلطنت سلجوقی مختلف حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ سوائے ایشیائے کوچک کے کہ وہاں سلجوقی حکومت ساتویں صدی کے اخیر تک رہی اور پھر ان سے دولت عثمانیہ کو منتقل ہوئی، ذیل کے نقشہ سے ان چھوٹی چھوٹی ریاستوں اور حکومتوں کے متعلق معلوم ہوسکے گا کہ وہ کب تک اور کہاں کہاں قائم رہیں

۱۔ بوریہ	دمشق میں	۴۹۷-۵۴۹ھ

۲۔	زنگی	جزیرہ اور شام میں	۵۲۱ - ۶۴۸ھ
۳۔	بکتیکیہ	اربلا وغیرہ	۵۳۹ - ۶۳۰ھ
۴۔	ارتقیہ	دیار بکر	۴۹۵ - ۶۱۲ھ
۵۔	شاہان آرمینیا		۴۹۳ - ۶۰۴ھ
۶۔	اتابک	آذربائجان	۵۳۱ - ۶۲۲ھ
۷۔	سلغریہ	فارس	۵۴۳ - ۶۸۶ھ
۸۔	ہزار اسپیہ	لورستان	۵۴۳ - ۷۴۰ھ
۹۔	خوارزم شاہی	خوارزم	۴۷۰ - ۶۲۸ھ
۱۰۔	قطلغیہ	کرمان	۶۱۹ - ۷۰۳ھ

یہ تمام حکومتیں مغلوں کے ہاتھ سے برباد ہوگئیں۔

سلجوقین ایشیائے کوچک

ایشیائے کوچک میں سلجوقی خاندان کی حکومت اس وقت بھی قائم تھی جبکہ دوسرے سلجوقی خاندان تباہ ہو چکے تھے، البتہ اس حکومت کے مختلف حصے ہو گئے تھے اور اسی خاندان کے مختلف گھرانے حکمران تھے جنہیں آٹھویں صدی کی ابتدا میں دولت عثمانیہ کے عروج نے ہمیشہ کے لئے ختم کر دیا۔

کُرد خاندان

کُردوں کی قوم بہت سخت ہے اور ان کی زندگی بالعموم صحراؤں اور

خیموں میں بسر ہوتی تھی، ان کے مختلف قبیلے تھے اور وحشیانہ زندگی ان کا شعار قومی تھا، یہ لوگ بہ نسبت ترکوں، ایرانیوں اور دوسری مشرقی قوموں کے زیادہ وحشی تھے اور اس وقت بھی جبکہ تمام قومیں اسلام کی طرف متوجہ نظر آتی تھیں۔ یہ غافل بے پرواہ تھے، ان کے خاص مقامات کردستان، آرمینیا، موصل، دیار بکر وغیرہ تھے، لیکن ان لوگوں میں دولت عباسیہ کے عہد عروج میں بہت سے بدویانہ خصائل پائے جاتے تھے، اس لئے خلفائے عباسیہ نے ان میں سے بعض لوگوں کو خاص خاص عہدوں پر ممتاز کیا، ہر چند انہوں نے اس قدر کثرت کے ساتھ خود مختار ریاستیں قائم نہیں کیں جتنی ترکوں، ایرانیوں وغیرہ نے قائم کیں تاہم ان میں سے ایک آدھ آدمی ایسے نکلے جنہوں نے اس سنت کو پورا کیا، اور اپنی مختصر سی سلطنت جداگانہ قائم کر لی۔

ان میں سے پہلا شخص حسنویہ بن حسین البرزکانی تھا جو چوتھی صدی کے وسط میں کردستان کے چند قبائل کا سردار تھا، اس کی سلطنت ہمدان، نہاوند، دینا ور، سرماج تک محدود رہی اور خلیفہ بغداد نے بھی اس کی حکومت کو تسلیم کر لیا، اور اس کے بیٹے کو ناصر الدولہ کا خطاب عطا کیا۔ یہ خاندان ۳۴۸ھ سے ۴۰۶ھ تک حکمران رہا۔

دوسرا کرد جس نے ایک دوسری ریاست کی بنیاد ڈالی ابو علی ابن مروان تھا، اس نے دیار بکر سے ۳۸۰ھ میں خروج کیا اور آمد، ارزان، میافارقین میں اس کی حکومت قائم ہوئی، اس کے جانشینوں نے سلاطین کی اطاعت اختیار کر لی اور اس طرح ۴۸۹ھ میں اس خاندان کا بھی خاتمہ ہو گیا۔

خاندان ایوبی

اس خاندان کا بانی صلاح الدین تھا، یہ شخص تاریخ اسلام میں اپنی دانشمندی، قابلیت، انتظام، جرات و بہادری کے لحاظ سے بہت مشہور ہے، اس نے فاطمیین کے زوال پذیر تخت سلطنت پر اپنی حکومت کی بنیاد قائم کی اور خلفائے عباسیہ کی اطاعت قبول کی۔

صلاح الدین کے کارنامے ایک مستقل تاریخ کے محتاج ہیں، اور اس کا حروب صلیبیہ کے مقابلہ میں جنگ کرنا تاریخ عالم کا ایک بے مثل واقعہ ہے جس کے متعلق مختلف زبانوں میں بسیط تصانیف موجود ہیں۔ صلاح الدین کے عہد میں کرد قوم کے لوگوں کی زیادہ عزت ہوئی اور گورنری وغیرہ کے عہدے ان کے سپرد کئے گئے، چنانچہ مصر، شام، کردستان، یمن خراسان میں کرد قوم کے گورنر مامور ہوئے۔

صلاح الدین کے بعد اس کی سلطنت اس کے بھائیوں، بیٹوں، بھتیجوں میں تقسیم ہو گئی، اور اس لئے یہ خاندان جلد ختم ہو گیا ترکی ملوکوں نے سلطنت ایوبی کے بہت سے صوبے اس طرح اپنے قبضے میں کرلئے جس طرح سلجوقیوں کے عہد میں اتابکوں نے کرلئے تھے۔ ملوکوں کے مصر میں دو خاندان ہوئے جن کو ملوک سلطان کہتے ہیں، ان کا ذکر آگے آئے گا۔

خلافت، سلطنت یا مذہب، سیاست

ابتدائے اسلام میں تمام معاملات میں خواہ وہ مذہبی ہوں یا دنیاوی صرف رسول اللہ کو ہی سیادت حاصل تھا وہی حکمران تھے وہی منصف وہی بادشاہ تھے اور وہی قانون ساز جب آپ کسی صوبہ میں کسی عامل گورنر کو مامور کرتے تھے تو گویا آپ دینی و دنیاوی دونوں حیثیت سے اس کو مقرر فرما دیتے تھے۔ آپ ہدایت فرماتے کہ انصاف سے حکومت کی جائے اور تعلیمات قرآنی کو ہر وقت پیش نظر رکھا جائے لیکن آپ نے اپنی زندگی ہی میں کبھی کبھی دینی و دنیوی خدمات کو علیحدہ کر دیا تھا چنانچہ ۸ھ میں جب آپ نے ابو زید انصاری اور عمرو ابن العاص کو اشاعت اسلام کی غرض سے مامور کیا تو یہ ہدایت فرمائی کہ اگر لوگ مذہب اسلام قبول کر لیں تو عمرو بن العاص کی حیثیت سے کام کریں اور ابو زید ان کو نماز پڑھائیں اور قرآن کی تعلیم دیں" یہ مثال کوئی عام اصول کو پیش نہیں کرتی کیونکہ بہت سی مثالیں ایسی بھی ہیں کہ ایک ہی شخص عامل بھی تھا اور مذہبی رہنما بھی بہرحال اس میں شک نہیں کہ رسول اللہ کے عہد میں یہ دونوں حیثیتیں صرف ذات نبوی میں مجتمع تھیں اور آپ کے بعد تقسیم عمل کے لحاظ سے مختلف خدمتیں مختلف لوگوں کی سپرد کی گئیں سوائے خلافت کے کہ وہ اب تک دونوں حیثیتوں کو حاوی ہے۔

اس میں کلام نہیں کہ خلافت ایک مذہبی خدمت ہے اور اس کو خلفائے راشدین نے محض اس لئے اختیار کیا تھا کہ جس مقصد کو رسول اللہ نے پیش نظر کر دیا تھا اسے پورا کیا جائے اور اسلام کی اشاعت دنیا میں کی جائے لیکن جب خلفائے راشدین کے عہد میں فتوحات بڑھیں اور حکومت اسلام وسیع ہونے لگی تو بوجہ ترتیب افواج اور انتظام سلطنت کے

سلسلہ میں مختلف خدمات مختلف لوگوں کے سپرد کی گئیں اور یہ ایک قسم کی مجبوری تھی جس سے کسی طرح مفر نہیں تھا۔ ہر چند یہ تمام انتظامات صرف مذہبی نقطہ نظر سے تھے، اور اس میں کسی دنیاوی غرض کا شمول نہ تھا۔ لیکن جب خلفائے راشدین کا عہد ختم ہو گیا، اور اسلامی فتوحات بہت زیادہ ہو گئیں تو اس وقت خلفاء میں دنیاوی جاہ و شوکت کا خیال پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ خالص مذہبی حکومت دنیاوی حکومت میں تبدیل ہو گئی۔

لیکن چونکہ خلیفہ کا مفہوم ہی مذہبی اقتدار کو نمایاں کرنے والا تھا، اس لئے شاہان اسلام نے اس لقب کو ترک نہیں کیا کیونکہ اس کی مدد سے وہ لوگوں میں اپنی مذہبی عزت قائم کر سکتے تھے اور یہی وہ ذریعہ تھا جس سے لوگوں پر اثر قائم ہو سکتا تھا اور فتوحات ملکی بھی وسیع ہو سکتی تھیں، تاہم ایسے لوگ بھی تھے جو اس کو سمجھتے تھے اور انہیں گوارا نہیں تھا کہ وہ شخص جو حقیقی معنی میں خلیفہ ہونے کا مستحق نہیں ہے اپنے تئیں خلیفہ کہے یا دوسروں سے تسلیم کرائے۔

جب امیر معاویہؓ نے حضرت علیؓ کے زمانہ حیات میں لوگوں سے حلف اطاعت لینا شروع کیا، تو اکثر نفوس ایسے تھے، جنہوں نے منظور نہیں کیا، اور ہر چند حضرت علیؓ کے بعد جب امام حسنؓ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئے، تو قریب قریب اکثر جماعت نے امیر معاویہؓ کی سیادت کو تسلیم کر لیا لیکن یہ سیادت سیادت مذہبی نہ تھی۔ بلکہ حاکمانہ فرمانروایانہ سرداری تھی جس کے سامنے انہوں نے سر تسلیم مجبوری سے خم کر دیا۔ چنانچہ جب سعد ابن ابی وقاصؓ امیر معاویہ کے سامنے لائے گئے، تو آپ نے ان اس طرح سلام کیا جس طرح بادشاہوں کو کیا جاتا ہے، امیر معاویہؓ ہنسے اور کہا سعدؓ ابن ابی وقاص کا کیا حرج ہو جاتا اگر وہ مجھے امیر المومنین کہتے، سعد نے جواب دیا "میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ اگر تمہاری جگہ مجھے اسی طرح حاصل ہوتی

جس طرح تم نے کی ہے تو میں ہرگز اسے قبول نہ کرتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت بعض لوگ ایسے موجود تھے جو خلافت کو اسی مفہوم کے ساتھ دیکھنا چاہتے تھے جو خلفائے راشدین کے زمانہ میں پایا جاتا تھا۔

ممکن ہے کہ انتہائے تقویٰ کے خیال سے بعض لوگوں کا ایسا چاہنا درست ہو لیکن سیاسی نقطۂ نظر سے یہ ضروری تھا کہ کسی کو خلیفہ قرار دے کر ساری قوت اسلامی کا مرکز اس کو قرار دیا جائے۔

یہ بالکل صحیح ہے کہ بنوامیہ و بنوعباس میں ایک خلیفہ بھی ان صفات کا حامل نہیں تھا جو خلفائے راشدین میں پائی جاتی تھیں لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان میں سے کسی کو خلیفہ جائز قرار نہ دیا جائے۔ زیادہ سے زیادہ اگر کوئی اعتراض ہو سکتا ہے تو صرف یہ کہ خلفائے راشدین کے بعد کوئی خلیفہ صحیح معنی میں ان کا مقلد نہیں ہوا۔

چونکہ بنوامیہ، بنوعباس کے تمام خلفا اس حقیقت کو اچھی طرح جانتے تھے کہ حکومت اسلام بجز دینی و دنیوی سیادت کا اور تاوقتیکہ مذہبی نقطۂ نظر سے اپنی ہستی کو ضروری نہ تسلیم کرالیا جائے اس وقت تک امن و سکون کے ساتھ کوئی شخص حکومت نہیں کر سکتا اسی لئے انہوں نے اپنی مذہبی حیثیت کو کبھی ضعیف نہیں ہونے دیا اور حکومت کی بنیاد ہمیشہ مذہب پر قائم رہی۔

یہی وجہ تھی بنوامیہ و بنوعباس میں بدنام سے بدنام خلیفہ ایسا نہیں ہوا جو شعار اسلامی سے منحرف ہو گیا ہو اور اس نے اپنی مذہبی زندگی کو خیرباد کہہ دیا ہو۔

ولید ابن یزید جو بنوامیہ کا مشہور عیش پرست خلیفہ ہوا ہے، وہ بھی جب نماز کا وقت آتا تھا تو اپنے تمام معطر و ریشمی لباس کو اتار کر صاف اور پاک کپڑے پہن لیتا تھا اور وضو کر کے تمام شرائط کے ساتھ امامت کیا کرتا تھا۔

یہی سبب تھا کہ اس قدر کثرت کے ساتھ خود مختار ریاستیں قائم ہوجانے کے باوجود دولت عباسیہ کا اثر بدستور قائم رہا قریب قریب تمام صوبوں کے گورنر اپنی اپنی جگہ آزاد حکمران ہوگئے تھے لیکن وہ خلیفہ بغداد سے اپنے کو جدا نہ کرسکتے تھے کیونکہ جو مذہبی سیادت خلفائے عباسیہ کو حاصل تھی وہ اس سے محروم تھے، فارس، خراسان، ترکستان، شام، مصر، افریقیہ میں ہر جگہ خود مختار حکومتیں مسلمانوں کی قائم ہوئیں، لیکن ہر جگہ خطبہ میں خلیفہ بغداد کا نام لیا جاتا تھا، اور ہر سال خراج کی صورت میں ایک رقم بغداد بھیجی جاتی تھی، صرف اس لئے کہ رعایا میں اشتعال پیدا نہ ہو اور وہ ان کی حکومتوں کو جائز تسلیم کرتی رہیں۔

ترکوں کو جو اقتدار حاصل ہوگیا تھا، وہ صفحات ماسبق سے معلوم ہوا ہوگا، لیکن باوجود اس اثر کے کہ خلیفہ کا عزل ونصب ان کے ہاتھ میں تھا۔ وہ خود کبھی اس کی جرات نہیں کرسکے کہ خود تخت کو حاصل کرلیں یا خلیفہ کی جگہ کو پُر نہ کریں۔ اگر وہ ایک خلیفہ کو معزول کرتے تھے، تو ان کے لئے یہ بھی ضروری ہوتا تھا کہ اس کی جگہ کسی دوسرے کو متعین کریں ورنہ رعایا برہم ہوجاتی اور سخت فساد برپا ہوجاتا خاندان بویہ اور سلجوق نے جو کچھ کیا، سب کو معلوم ہے انھوں نے نہ صرف سلطنت عباسیہ بلکہ پایۂ خلافت بغداد پر بھی قبضہ کرکے سب کچھ لے لیا لیکن باوجود اس کے وہ اس پر مجبور تھے، کہ خلیفہ کی عزت کریں اور مذہبی سیادت سے اسے محروم نہ کردیں خاندان بویہ کا سردار عضدالدولہ نے جب بغداد پر قبضہ کرلیا، تو اس کے لئے کوئی وجہ رعایت کی نہ تھی کیونکہ وہ خود نہایت سخت متعصب شیعی تھا اور اپنے مذہبی نقطہ نظر سے بھی خلیفہ وقت کو غاصب سمجھتا تھا، لیکن باوجود اس کے اس کو خلیفہ کی عزت کرنی پڑی اور اس کے سامنے اس کو جھک جانا پڑا۔[1]

---

[1] اثیر ۸۔ ۲۵۷

خلفاء بھی اپنے اس اقتدار سے اچھی طرح واقف تھے، اور جب کسی حکمران خاندان کی طرف سے وہ بدسلوکی دیکھتے تھے، تو اس کو یہ کہکر ڈرا دیتے تھے کہ "ہم بغداد چھوڑ دیں گے" یہ ایک بڑی زبردست تخویف تھی، کیونکہ اس صورت میں رعایا کا برہم ہوکر برسر فساد ہوجانا یقینی تھا۔[1]

البتہ جب مصر میں فاطمیین نے خروج کیا تو بہت سے صوبوں نے خلفائے عباسیہ سے انحراف کر کے ان کی اطاعت اختیار کی، اور اس کی وجہ ظاہر تھی کیونکہ ان کو بہت سے لوگ حقیقتاً خلافت کا مستحق جانتے تھے لیکن جب ان کے زمانہ زوال میں سلطان صلاح الدین نے ایوبی خاندان کی بنیاد ڈالی تو اس نے سب سے پہلے مسجد قاہرہ میں خلیفہ عباسیہ کے لئے دعا مانگی، اور خلعت وغیرہ کی درخواست پیش کی، ہر چند یہ زمانہ دولت عباسیہ کا بالکل آخری زمانہ تھا اور اس کی حالت بالکل چراغ سحری کی سی تھی لیکن صلاح الدین سمجھتا تھا کہ جب تک وہ اس تدبیر سے کام نہ لے گا، لوگ اس کی حکومت کو جائز تسلیم نہ کریں گے۔

اسی طرح جب خاندان ایوبی کا خاتمہ ہوگیا اور سلاطین مملوک کی حکومت مصر میں قائم ہوئی تو انہوں نے بھی خلیفۂ عباسیہ کی اطاعت قبول کی، اور خلعت وغیرہ طلب کی تب ۶۵۶ھ میں تاتاریوں نے بغداد پر حملہ کیا اور خلیفہ معتصم کو قتل کر ڈالا تو مسئلہ خلافت معلق ہوگیا اور مصر کی حالت اندیشہ ناک ہونے لگی لیکن سلاطین مصر نے فوراً ایک خلیفہ کو مقرر کر کے لوگوں کے جوش کو ٹھنڈا کیا، انہوں نے خاندان عباسیہ کے تمام منتشر ہوجانے والے افراد کو نہایت کاوش سے تلاش کر کے مصر میں بلایا اور ان کی تنخواہیں وغیرہ مقرر کر کے بڑی عزت کی، اور یہ صرف اس لئے کہ رعایا میں برہمی نہ پیدا ہو، اسی طرح ہندوستان کے بادشاہ جن کو خلیفہ سے کوئی واسطہ

---

[1] اثیر ۹-۲۱۲

نہیں تھا وہ خلیفہ کی اطاعت کرتے تھے اور خطبوں میں ان کا نام پڑھا جاتا تھا۔ ظاہر ہے کہ اگر مذہبی خیال مجبور کرنے والا نہ ہوتا تو ہرگز خلفائے عباسیہ کی ہستی اتنے عرصہ تک قائم نہ رہ سکتی اور وہ بہت جلد نیست و نابود ہوگئے ہوتے۔

عربوں کی ریاستیں

یہ پہلے معلوم ہو چکا ہے کہ بنو امیہ کے زوال کے ساتھ عربوں کی قوت رفتہ رفتہ گھٹتی گئی، اور عہد عباسیہ میں عجمیوں کو اس قدر عروج ہوا کہ عربوں کو کوئی موقع ترقی کا نہیں مل سکا امین کے زمانہ میں کچھ امید تھی کہ پھر عربوں کو قوت حاصل ہوگی لیکن اس کے قتل کے بعد مامون کے زمانہ میں ساری امیدیں خاک میں مل گئیں اور معتصم نے تو ان کو عہدے دینا ہی بند کر دیا۔ چونکہ عرب اس سلوک سے سخت برہم تھے، اس لئے وہ موقع کے منتظر رہتے تھے کہ جب کوئی شخص عراق، شام، مصر وغیرہ میں علم بغاوت بلند کرتا تھا تو وہ اس کا ساتھ دیتے تھے، چنانچہ اسی سلسلہ میں ان کی بعض چھوٹی چھوٹی ریاستیں شام و عراق میں قائم ہوگئیں۔ ہرچند یہ بھی دولت عباسیہ کے زیر اثر تھیں لیکن تھیں آزاد و خود مختار۔ اگر خلفائے عباسیہ اور عجمی وزراء اور ترکوں کے درمیان باہم نفاق نہ ہو جاتا تو شاید یہ ریاستیں قائم نہ رہ سکتیں لیکن چونکہ خلیفہ وقت خود اپنی مصیبت میں گرفتار رہتا تھا اس لئے وہ ان کی طرف کیا توجہ کر سکتا تھا۔

عربوں کی یہ ریاستیں چوتھی صدی میں قائم ہوئیں جب ایران اور ترکی کی ریاستیں بھی قائم ہو رہی تھیں، ان ریاستوں میں تغلبی خاندان کی ریاست جو موصل و حلب وغیرہ

میں قائم ہو گئی تھی ۳۱۷ھ سے ۳۹۴ھ تک قائم رہی اس خاندان میں **سیف الدولہ** مشہور حکمران گزرا ہے جس کو شاعر **متنبی** نے اپنے اشعار سے حیات دائم بخش دی۔

اس صدی کے اندر حلب میں ایک اور عربی خاندان قبیلہ بنی کلاب کا اٹھا جس نے حلب میں ۴۱۴ھ سے ۴۷۲ھ تک حکومت کی اس خاندان کو مرداسی کہتے ہیں، کیونکہ اس کا بانی اسد الدولہ صالح ابن مرداس تھا اسی زمانہ میں قبیلہ کعب میں سے **بنو عقیل** نے ۳۸۶ھ سے ۴۸۹ھ تک ہمدان میں حکومت کی۔ ایک چوتھا خاندان اور مزیدیہ تھا جس کا بانی مزید شیبانی قبیلہ اسد کا تھا اس خاندان نے عراق ۴۰۳ھ سے ۵۴۵ھ تک حکومت کی۔

علاوہ ان کے دو اور عربی خاندان ہیں جنھوں نے عرب سے باہر عجم کی سرزمین میں اپنی ریاستیں قائم کیں، ایک خاندان دلفیہ تھا جس کا بانی ابو دلف العجلی تھا اسے **کردستان** میں حکومت کی اور دوسرا خاندان **علویین** کا تھا جس کا بانی حسن بن یزید تھا۔ اس خاندان کی حکومت طبرستان میں تھی اگر ہم ان خاندانوں میں اغلبی خاندان اور ادریسی خاندان کو بھی شامل کرلیں جو قبل عروج دولت عباسیہ قائم ہو چکی تھی تو کل آٹھ عربی ریاستیں ہوتی ہیں نقشہ ذیل سے یکجائی ان کی تفصیل معلوم ہوسکتی ہے۔

نام خاندان	مقام حکومت	زمانہ حکومت	بانی خاندان
ادریسی	مراکش	۱۷۲-۳۰۵ھ	ادریس بن عبداللہ
اغلبی	تونس وغیرہ	۱۸۴-۲۸۹ھ	ابراہیم بن الاغلب
دلفی	کردستان	۲۱۰-۲۸۵ھ	ابو دلف العجلی
علوی	طبرستان	۲۵۰-۳۱۶ھ	الحسن بن زید
حمدانی	حلب و موصل	۳۱۷-۳۹۴ھ	بنو حمدان
مزیدی	حلہ (عراق)	۴۰۳-۵۴۵ھ	مزید الشیبانی

عقیلی	موصل	سنہ ۳۸۶-۴۸۹	بنو عقیل
مرداسی	حلب	سنہ ۴۱۴-۴۷۲	صالح بن مرداس

علاوہ ان کے اور چھوٹے چھوٹے خاندان یمن میں ہوئے جنہیں زیادی د
یعفوری کہتے ہیں عربوں کے ان تمام خاندانوں نے عربی عنصر کو غالب کرنے یا اپنا (
گزشتہ اقتدار حاصل کرنے کی کوئی کوشش نہیں کی کیونکہ سوائے خاندان ادریسی و
علوی کے سب خلفائے عباسیہ کی سیادت کو تسلیم کرتے تھے، اور انہیں کے زیر اثر
ان کی حکمرانی جاری تھی، یہ لوگ ایک حد تک مجبور بھی تھے، کیونکہ اس وقت جتنے اور
خاندان حکومتیں کر رہے تھے، وہ دولت عباسیہ کے زیر اثر تھے اور اس لئے عربوں کی
ریاستیں بھی اس سلسلہ اصول کو نہ توڑ سکتی تھیں، چند خاندان جو حقیقتاً خالص عربوں کی حکومت
پسند کرتے تھے، اور جنہیں دولت عباسیہ سے سخت نفرت تھی، وہ ہسپانیہ
کی طرف چلے گئے، کیونکہ وہاں بنو امیہ میں سے ایک شخص نے اپنی آزاد حکومت
قائم کرلی تھی۔

علاوہ بنو امیہ کے علویین بنو عباس سے بہت برہم تھے، اور
انہیں میں سے وہ لوگ تھے، جو مشرق کی طرف چلے گئے اور وہاں انہوں نے اپنی
حکومت قائم کرلی، جسے ادریسی کہتے ہیں، چونکہ ایرانیوں کو علویین سے زیادہ
شغف تھا اس لئے یہ لوگ اسی طرف چلے گئے، اس توقع پر کہ وہ ایرانیوں کی
مدد سے کسی وقت دولت عباسیہ کو شکست دے سکیں گے، لیکن جب ترکوں
کا اقتدار بڑھا تو ان کی تمام امیدیں خاک میں مل گئیں، کیونکہ وہ ایرانیوں کے بہت
مخالف تھے، اس کے بعد علویین کی ایک جماعت مایوس ہو کر مغرب کی طرف چلی
گئی، اور ایک جماعت مشرق میں رہی، اس توقع پر کہ شاید کسی وقت دولت
عباسیہ کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھایا جا سکے، لیکن مشرق میں سوائے ایک

خاندان کے علویین میں سے اور کسی کی حکومت نہیں ہوئی اور یہ حکومت بھی بہت ضعیف اور عارضی تھی۔

علویین کی اہمیت مشرق میں بویہ خاندان کے زمانۂ عروج میں بہت بڑھ گئی کیونکہ یہ خاندان شیعہ تھا۔ اس وقت مغرب میں علویین اپنی خلافت قائم کر چکے تھے، اس لئے بویہ خاندان کے عروج سے انہیں بہت تقویت حاصل ہوئی اور مشرق کی طرف دولت عباسیہ کو مفتوح و مغلوب کرتے بڑھے، جب مصر میں آئے تو اس کو ختم کر کے انہوں نے حکومت فاطمین کی بنیاد ڈالی اور علویین میں سے اس سے زیادہ زبردست خاندان اور کوئی نہیں ہوا فاطمین کے عروج سے عربوں کی توقعات بہت بلند ہو گئیں اور خیال ہوا کہ اب پھر عربوں کو عروج حاصل ہوگا لیکن چونکہ بدقسمتی سے اس زمانہ میں بویہ خاندان کو زوال آ گیا اور سلجوقیوں کی ترقی شروع ہوئی جو احناف تھے اس لئے سارے حوصلے خاک میں مل گئے پھر اسی کے ساتھ کردوں نے فاطمین کو مغلوب کر لیا اور صلاح الدین نے سلطان مصر ہو کر خلفائے عباسیہ کی اطاعت اختیار کر لی اور اس طرح ہمیشہ کے لئے جذبۂ ترقی کو اعراب کے دلوں سے فنا کر دیا۔

ہسپانیہ میں بنوامیہ کی سلطنت اور مصر میں فاطمین کی حکومت سے اعراب کو ترقی کی امیدیں تھیں لیکن ان کے زوال کے بعد سلطنت اسلام میں عربوں کی حیثیت بہت ضعیف ہو گئی، ہر چند بعد کو کبھی کبھی سیاسی و مذہبی تحریکات، نجد کے وہابیوں، سوڈان کے درویشوں کی طرف سے زندہ کی گئیں، لیکن ان میں سے کسی کو ایسی کامیابی نہیں ہوئی کہ اعراب پھر اپنی کھوئی ہوئی عظمت کو واپس لا سکتے، یا کوئی خودمختار اور آزاد حکومت قائم کر سکتے۔

چونکہ ہسپانیہ میں بنوامیہ کی حکومت اور مصر میں فاطمین کی سلطنت بعض

اعتبار سے بہت اہم تسلیم کی جاتی ہے، اس لئے ضرورت ہے کہ ہم اس جگہ ذرا تفص
کے ساتھ ان کے حالات بیان کردیں، تاکہ ان خاندانوں کے عروج و زوال کی تار
آسانی سے سمجھ میں آسکے۔

ہسپانیہ میں بنو اُمیّہ کی سیاست

جس طرح دولت عباسیہ کے زمانہ میں تمام خود مختار و آزاد ریاستوں نے طرز حکو
میں خلفائے عباسیہ کی تقلید کی اسی طرح ہسپانیہ میں بنو امیہ نے بھی کی، اس
سلطنت و حکومت کا بانی عبدالرحمٰن بن معاویہ بن ہشام بن عبدالملک بن مروا
تھا، یہ شخص نہایت جری اور ذہین تھا اور ۱۳۲ھ میں سفاح کے قبضہ سے نکل کر بھاگ گیا
اس کا ایک مولیٰ (آزاد کردہ غلام) بدر تھا، جس نے عبدالرحمٰن کی بہت مد
کی، چونکہ بنو امیہ کے دشمن ہر جگہ اور کثرت سے سرزمین عرب میں پائے جاتے تھ
اس لئے نہایت دقتوں سے عبدالرحمٰن شمالی افریقہ تک پہنچا، یہاں بدر نے ا
کے کچھ ساتھی اور معاون پیدا کرکے آبنائے جبل الطارق کو عبور کرادیا۔ یہاں
خاندان بدر کے ۵۰۰ موالی پہلے سے موجود تھے، بدر نے ان کو آمادہ کیا کہ عبدالرحم
کی مدد کرکے ہسپانیہ میں خاندان بنی امیہ کو باقی رکھیں، ان لوگوں نے اس پر رضامند
کا اظہار کیا اور مضری و یمنی لوگوں میں بھی اس طرح اتحاد و اتفاق پیدا ہوگیا، جو ای
نہایت دشوار امر تھا۔ ان لوگوں نے مسلسل جنگ کرنے کے بعد ہسپانیہ کا راس
عبدالرحمٰن کے لئے صاف کردیا اور اس طرح ۱۳۸ھ میں ایک خود مختار سردار کی حیثی
سے وہ ہسپانیہ میں بلالیا گیا۔

اول اول عبدالرحمٰن نے خلیفہ عباسیہ کی طرف سے حکومت کرنے کا اعلان کیا اور خطبہ میں منصور کا نام بھی پڑھا، لیکن عبدالرحمٰن کا ایک چچا زاد بھائی عبدالملک بن عمیر بن مروان تھا، یہ نہایت پرجوش اور ذی ہمت شخص تھا، اور اس کی آرزو تھی کہ خلافت پھر بنو امیہ میں منتقل ہو جائے، اس نے عبدالرحمٰن کو مجبور کیا کہ وہ خطبہ میں خلیفہ عباسیہ کا نام نہ لیا کرے عبدالرحمٰن کو پہلے پس و پیش تھا لیکن جب عبدالملک نے بہت زیادہ اصرار کیا تو اس نے اس کے کہنے پر عمل کیا لیکن خلیفہ بننے کی جرات اب بھی نہیں ہوئی۔

اسی زمانہ میں منصور عباسی، امام مالک بن انس رح مشہور فقیہہ گزرے ہیں، یہ اس امر پر برہم ہو گیا تھا کہ وہ علویین کے طرفدار تھے اس لئے ان کو ہسپانیہ بھیجدیا، یہ جب یہاں پہنچے تو بنو امیہ نے ان کی بہت عزت کی، اور انہوں نے بھی بنو امیہ کے حقوق بنو عباس پر زیادہ مرجح سمجھکر لوگوں میں اس خیال کو پھیلایا، چونکہ بحیثیت ایک زبردست فقیہہ ہونے کے لوگوں میں ان کا اقتدار بہت تھا، اس لئے بنو امیہ کی سلطنت ہسپانیہ میں مضبوط ہوتی گئی، اور اسی کے ساتھ ساتھ مالکی فقہ ہسپانیہ میں پھیلنے لگی چنانچہ خلیفہ حکم ابن ہشام ابن عبدالرحمٰن کے عہد میں سلطنت کا قانون ہی مالکی فقہ پر قائم تھا۔[1]

عبدالرحمٰن نے اپنی حکومت و سلطنت مستحکم کرنے کے لئے بڑی حد تک منصور عباسی کی تقلید کی، جس طرح منصور نے اپنے چچا زاد بھائی کو قتل کیا، اسی طرح عبدالرحمٰن نے بھی اپنے چچا کے بیٹے ولید (مغیرہ) کو ہلاک کر ڈالا[2] بدر سے عبدالرحمٰن کسی بات پر ناراض ہو گیا، تو اس کی تمام خدمات کو بھول گیا، اور جلاوطن کر دیا جس طرح منصور

[1] نفح ۸ - ۹۹ء
[2] " ۲ - ۱۵ء

نے ابومسلم خراسانی کو اس کی تمام خدمات فراموش کر کے قتل کر دیا اسی طرح عبدالرحمٰن نے بھی ابوالصباح ابن یحییٰ یمنی قبیلہ کے سردار کو تہ تیغ کر دیا۔[۱] حالانکہ اس نے عبدالرحمٰن کی بہت مدد کی تھی جب یمنی قبیلہ کے لوگوں کو معلوم ہوا تو وہ بہت برہم ہوئے اور اس کے خون کا بدلہ انہوں نے لینا چاہا لیکن عبدالرحمٰن نے ان سب کو نہایت بے رحمی کے ساتھ قتل کر ڈالا چونکہ جماعت اعراب عام طور سے عبدالرحمٰن کی مخالف ہو گئی تھی اس لئے اس نے ارادہ کیا کہ موالی کو ملازمت میں لے کر ان کی اعانت حاصل کرے چنانچہ اس نے سلطنت کے تمام امراء سے ان کے موالی کے حقوق خرید کئے اور بہت سے آزاد شدہ غلاموں کو مول لے کر ان کی عزت کرنی شروع کی علاوہ اس کے بربر کے سرداروں کو بھی اس نے ملایا اور وہاں کے لوگوں کو ترغیب دی کہ اس کے پاس ملازمت اختیار کریں اس طرح عبدالرحمٰن نے ایک فوج چالیس ہزار موالی اور غلاموں کی تیار کر لی جس نے ہسپانیہ کی تمام عرب جماعتوں کو مخالف کر دیا اور سلطنت کی بنیاد قائم کر دی۔

سلطنت اسپین اور سلافی غلام

اول اول بہت سے روسی قبائل بحر اسود کے شمال اور ساحل ڈینیوب پر آباد تھے لیکن جب رفتہ رفتہ وسط یورپ میں منتقل ہونے لگے تو ان کو ان قوموں سے لڑنا پڑا جو درمیان میں حائل ہوئیں۔

اس جنگ میں دونوں طرف سے بہت سے لوگ گرفتار ہوتے تھے اور اس وقت کا دستور تھا کہ ان لوگوں کو بہ حیثیت غلام کے فروخت کر ڈالا جاتا تھا، ان سپید غلاموں

[۱] ابن اثیر ج ۶ ۔ ۵

کی بہت قدر تھی اور بہت سے لوگ انہیں کی تجارت کرتے تھے، تاکہ افریقہ، مصر، شام ہسپانیہ وغیرہ میں انہیں فروخت کرکے معقول نفع حاصل کریں۔

عبدالرحمٰن کو ان غلاموں کی طرف زیادہ توجہ نہیں تھی، لیکن اس کے پوتے حکم ابن ہشام (۱۸۰-۲۰۶ھ) نے ان غلاموں کو کثیر تعداد میں خرید کیا، اور ان کی ایک فوج مرتب کی، حکم کے بعد یہ رسم اس خاندان میں جاری ہو گئی اور عبدالرحمٰن الناصر (۳۰۰-۳۵۰ھ) نے ان کی تعداد کو اور زیادہ کرکے وہی عزت کی جو معتصم عباسی نے ترکوں کی کی تھی ہسپانیہ کے بنو امیہ نے اپنی یورپین سلطنت کو دیگر اسلامی سلطنتوں سے جو افریقہ میں ایشیا میں تھیں بالکل جدا رکھا، اور نہ ان پر قابض ہونے کی کوئی خواہش کی، بلکہ ہسپانیہ کی رعایا کو سرزمین عرب میں قدم رکھنے کا بھی حکم نہ تھا کہ مبادا وہ بنو عباس کے قبضہ میں چلی جائے۔[1]

ہسپانیہ کا تجزیہ

ہسپانیہ میں اسلامی سلطنت کا بہترین زمانہ عبدالرحمٰن الناصر کا ہوا، جس نے ۳۵۰ھ میں انتقال کیا، یہ بڑا خوش قسمت اور زیرک بادشاہ تھا، اس کے عہد میں سلطنت بہت دولت مند ہو گئی تھی اور اس لئے اس کو ہسپانیہ کا ہارون الرشید کہتے ہیں، اس کے بعد اس کا بیٹا حکم تخت نشین ہوا، یہ بالکل مامون کی طرح علم دوست اور ہنر پرور تھا، چنانچہ ان دونوں بادشاہوں کے عہد میں دولت اسپین نے بہت ترقی کی، اور انہیں کا زمانہ عہد زریں کہلاتا ہے، ان کے بعد زوال شروع ہوا اور درباریوں کو زیادہ رسوخ ہو گیا، جن میں سلافی، غلام، بربری لوگ، اور موالی شامل تھے، ان

[1] ابن خلدون ۱ ر ۲۳۸

لوگوں نے بادشاہان اسپین کے ساتھ وہی سلوک کیا جو ایرانیوں اور ترکوں نے خلفائے عباسیہ کے ساتھ کیا تھا۔

اول اول دربار اسپین میں عربوں کو بہت در خور حاصل تھا لیکن جب رفتہ رفتہ دوسری قوم کے لوگوں کا اقتدار شروع ہوا تو ان کی قوت گھٹنے لگی یہاں تک کہ چوتھی صدی کے آخر میں ابن ابی عامر جو الحکم کا وزیر تھا، سلطنت کا مالک ہو گیا اور تمام وزراء و امرا میں باہم نفاق پیدا کر کے ان کی قوت کو ختم کر دیا، چونکہ وہ خود یمنی عرب کی نسل سے تھا، اس لئے اس کو اندیشہ ہوا کہ فوج اس پر حملہ نہ کرے اس لئے اس نے اس کی قوت کو بھی منتشر کر دیا، اس نے پہلے سلافی غلاموں کو محل سے نکالا، اور پھر ان کی فوج کو غارت کر دیا، جب وہ اس میں کامیاب ہو گیا تو پھر عربی وزراء و عمال کو برطرف کر کے بربری قوموں کے لوگوں کو ان کی جگہ متعین کرنا شروع کیا اور اسی وقت سے عربوں کا اثر ہمیشہ کے لئے رخصت ہو گیا۔

چونکہ دولت ہسپانیہ کا زوال شروع ہو گیا تھا اور وہ بڑھتا ہی جاتا تھا اس لئے رفتہ رفتہ ساری سلطنت مختلف حصوں میں تقسیم ہو گئی، اور ہر گورنر اپنی جگہ خود مختار ہو گیا۔

ذیل کے نقشہ سے ان کی تعداد معلوم ہو سکتی ہے۔

خاندان	مقام حکومت	زمانہ حکومت
بنو جمود	مالقہ و جزیرہ	۴۰۷-۴۴۹
بنو عباد	اسبیلیہ (سیول)	۴۱۴-۴۸۴
بنو زیری	غرناطہ	۴۰۳-۴۸۳
بنو جہور	قرطبہ	۴۲۲-۴۶۱

بنو ذوالنون	طلیطلہ	سنہ ۴۲۷ھ-۴۷۸ھ
بنو عامر	بلنسیہ	سنہ ۴۱۲ھ-۴۷۸ھ
بنو ہود و توجیب	سرقوسا	سنہ ۴۱۰ھ-۵۳۶ھ

ان ریاستوں اور خاندانوں کا زمانۂ حکومت زیادہ طویل نہیں ہوا کیونکہ پہلے المرابطین نے ان کو زیر کر لیا، اور پھر الموحدین نے چونکہ ان کے درمیان ہمیشہ جنگ ہوتی رہتی تھی، اور تمام سلطنت ٹکڑے ٹکڑے ہوگئی، اس لئے فرنگیوں نے اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر ایک ایک صوبہ لینا شروع کیا اور رفتہ رفتہ تمام اسپین مسلمانوں سے خالی ہوگیا، آخری شہر جو فرنگیوں کے قبضہ میں آیا غرناطہ تھا اس وقت اس پر بنو نصر کا قبضہ تھا جو یوسف ابن نصر کی اولاد سے تھے اس خاندان کے بیس افراد حکمران ہوئے اور آخری حکمران ابو عبداللہ محمد بن علیؒ تھا جسے فرنگیوں نے ۸۹۷ھ میں شکست دی اور اس طرح مسلمانوں کی سلطنت اسپین میں ختم ہوگئی۔

حکومت فاطمین

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ شام میں علویین نے کیسی کیسی مصیبتیں اٹھائیں بنو امیہ کے عہد میں جو مظالم ان پر ہوئے ان کا بھی اجمالی ذکر ہو چکا ہے اور بنو عباس کے زمانہ میں خصوصیت کے ساتھ عہد منصور، رشید، و متوکل میں، ان پر جو تباہیاں نازل ہوئیں، وہ بھی مختصراً بیان ہو چکی ہیں۔

جب انہوں نے دیکھا کہ وہ کسی جگہ چین سے رہنے نہیں پاتے تو وہ ادھر اُدھر منتشر ہونے لگے کوئی مشرق بعید میں چلا گیا اور کوئی مغرب بعید میں، ان لوگوں

میں سے جو مغرب کی طرف گئے، ایک ادریس بن عبداللہ بن الحسن المثنیٰ بھی تھے یہ بھائی تھے محمد بن عبداللہ جن کی خلافت کا حلف منصور نے اٹھایا تھا، اور پھر اس کو توڑ دیا۔

ادریس مصر آئے، جو اس وقت دولت عباسیہ کی حکومت میں تھا، اور ایک جگہ چھپ کر رہنے لگے۔ یہاں بعض شیعیان علی موجود تھے، جو کبھی کبھی خفیہ طور سے آپ سے آکر ملا کرتے تھے، لیکن ان کو یہاں بھی پناہ نہ ملی اور مصر چھوڑ کر افریقہ کے مغرب میں چلا جانا پڑا۔ یہاں بھی شیعیان علی موجود تھے، انہوں نے ادریس کا خیر مقدم کیا اور اس طرح مراکش میں ادریسی سلطنت قائم ہو گئی جو ۱۷۲ھ سے ۳۷۵ھ تک قائم رہی۔

جب چوتھی صدی کے وسط میں بویہ خاندان کے لوگوں کو بغداد میں عروج حاصل ہوا اس وقت تک فاطمین کی سلطنت مغرب افریقہ میں مستحکم ہو چکی، اور وہ مصر پر قابض ہونے کی فکریں کر رہے تھے چونکہ خاندان بویہ شیعی تھا اور بنو عباس کو غاصب سمجھتا تھا اس لئے معز الدولہ بویہی سے کہا گیا کہ وہ خلافت کو بنو عباس سے خاندان علی میں منتقل کر دے، وہ اس پر راضی ہو گیا لیکن اس کے ایک دوست نے کہا فی الحال چونکہ خلیفہ بنی عباس میں سے ہے جس کو تم اور تمہارے ساتھی سب غاصب سمجھتے ہیں اس لئے تم اسے ہر وقت آسانی کے ساتھ الگ کر سکتے ہو، لیکن اگر علویین میں سے کسی کو خلیفہ بنا دیا تو پھر اس کے معزول کرنے میں تم کبھی کامیاب نہ ہو سکو گے اگر اس وقت تمہارے خاندان اور ساتھ کے لوگ بھی تمہارا کہنا نہ مانیں گے، یہ سنکر معز الدولہ نے اپنا ارادہ ترک کر دیا[1] تاہم چونکہ خاندان شیعی تھا اس لئے اس کے عروج سے علویین کو مشرق میں بہت تقویت حاصل ہوئی، اور بیعت سے وہ مراسم جو شیعوں میں

---

[1] اثیر ۸۔ ۱۷۷

رائج تھے (عاشورہ وغیرہ) علانیہ ہونے لگے۔[1]

انہوں نے خلیفہ کو اس پر بھی مجبور کیا کہ عضد الدولہ کا نام خطبہ میں لیا جائے، اسی وقت سے ترکوں اور دیلمیوں کے درمیان اختلاف شروع ہو گیا۔ جو حقیقتاً تشیع و تسنین کا اختلاف تھا۔

مصر میں تشیع

مشرق میں تشیع کے عروج سے یقیناً مغرب میں یہ اثر پیدا ہوا کہ مصر کو خاندان عبیدیہ نے آسانی سے فتح کر لیا اس سے پہلے ان کا دارالامارۃ مہدیہ تھا۔ اس خاندان کے لوگ اپنے کو حسینؓ بن علیؓ کی اولاد ظاہر کرتے تھے لیکن مورخین نے اس میں اختلاف کیا ہے۔

ابتدا اسلام ہی سے مصر میں حضرت علیؓ کے طرفدار کثرت سے پائے جاتے تھے، اور شہادت حضرت عثمانؓ کے زمانہ سے انہوں نے حضرت علیؓ کی اعانت و حمایت کو اپنا مذہب و شعار قرار دے دیا تھا لیکن اہل مصر ابتدائی زمانہ میں علویین کی کوئی نمایاں اعانت نہیں کر سکے کیونکہ علویین صرف عراق و فارس کے لوگوں سے مدد چاہنے کی کوشش کر رہے تھے جب بنو عباس کو عروج حاصل ہوا اور منصور نے علویین کو ایذا پہنچانی شروع کی تو یہ لوگ ادھر ادھر منتشر ہو گئے انہیں میں سے ایک شخص علی بن محمد بن عبد اللہ تھے جو مصر آکر اپنی خلافت کے لئے کوشش کرنے لگے۔[2]

مصر میں جو سلوک علویین کے ساتھ ہوتا تھا وہ خلفائے عباسیہ کی مزاجی حالت پر منحصر تھا، اگر کوئی خلیفہ ان کا دشمن ہوتا تھا تو ان کو ایذائیں دی جاتی تھیں اور اگر کوئی اس طرف

---

[1] ابو الفداء ج ۲ ص ۱۲۶ [2] مقریزی ج ۲ ص ۳۳۸

خیال نہ کرتا تھا، تو پھر ان سے کوئی تعرض نہ ہوتا تھا، خلیفہ **متوکل** چونکہ **علویین** کا سخت دشمن تھا اس لئے اس نے مصر کے گورنر کو لکھا کہ تمام **علویین** کو مصر سے خارج کرکے عراق کی طرف بھیجدے، چنانچہ ۲۳۶ھ میں جہاں تک **علویین** کا پتہ چلا مصر سے عراق بھیجدیئے گئے، اور پھر یہاں سے مدینہ کو منتقل کردیئے گئے، چونکہ تمام گورنر خلیفہ کو خوش کرنا چاہتے تھے، اس لئے اس کے حکم کی تعمیل میں بہت زیادہ کاوش دمبالغہ سے کام لیتے تھے، چنانچہ **یزید ابن عبداللہ مصر** کے گورنر نے تمام **علویین** اور ان کے طرفداروں کو گرفتار کراکے عراق **بھجوادیا**، اور اپنے پندار میں کسی فرد کو باقی نہیں رکھا جب **متوکل** کا بیٹا **منتصر تخت نشین** ہوا تو اس نے گورنر مصر کو لکھا، کہ کوئی علوی جائداد قائم نہ کرنے پائے، اور نہ وہ گھوڑے پر سوار ہوسکے، اگر کسی مقدمہ میں ایک فریق علوی اور دوسرا غیر علوی ہو تو غیر علوی فریق کی بات بغیر کسی شہادت کے تسلیم کی جائے اس سے **علویین** کو سخت تکلیف پہنچی جب ۲۵۴ھ میں **احمد بن طولون مصر** کا گورنر ہوا تو اس نے اور زیادہ ستم ڈھائے کیونکہ یہ ترک تھا اور **علویین** سے خود بھی جلتا تھا۔

جب دولت **عباسیہ** کا زوال شروع ہوا، اور **مصر** میں **خاندان طولونیہ** کی قوت بالکل ضعیف ہوگئی، اور چوتھی صدی ہجری میں **خاندان بویہ** کا عروج ہوا تو اس وقت **شیعیان علی** کی حالت درست ہوئی، اور چونکہ **اہل مصر** میں پہلے ہی سے **تشیع** کی طرف میلان تھا اس لئے جب ۳۵۶ھ میں **المعز لدین اللہ فاطمی** کی فوج نے جوہر کی سیادت میں مصر پر حملہ کیا، تو بغیر کسی مقابلہ کے سارے ملک پر قبضہ ہوگیا، **جوہر** نے خطبہ سے خلفائے **عباسیہ** کا نام نکال کر **فاطمیین** کا نام داخل کیا، اور **قاہرہ** تعمیر کرایا جہاں معز نے آکر قیام کیا اور اسے **دارالخلافت** قرار دیا، **خاندان فاطمی** میں ابتدا سے آخر تک دس یا چودہ خلفا ہوئے ہیں اور کل زمانہ حکومت

۲۹۷ھ سے ۵۶۷ھ تک رہا ہے۔ آخر میں ایوبی کردوں نے مصر کو فتح کر لیا، اور فاطمین کی سلطنت ختم ہو گئی۔

فاطمیین کا اندازِ حکومت

خلفائے فاطمیین نے سارے انتظام سلطنت میں بنو عباس کی تقلید کی سوائے مذہب کے کہ اس میں البتہ رنگ تشیع غالب تھا اور وہ لوگ صرف علیؓ اور ان کی اولاد کو خلیفہ قرار دیتے تھے یعقوب وزیر نے ایک قانون ہی الگ بنایا تھا جس کا حجم صحیح بخاری کے نصف حجم کے برابر ہوگا، یہ قانون اس نے صرف ان روایات کی بنا پر مرتب کیا تھا جو اس نے خلیفہ المعز اور اس کے بیٹے عزیز سے سنی تھیں۔ یہ قانون اسمٰعیلیہ فرقہ کے معتقدات کے لحاظ سے تھا اور اس کی اشاعت کی بہت کوشش کی گئی۔ خود یعقوب تمام لوگوں کو مسجد میں جمع کر کے اس کا درس دیا کرتا تھا، اور جو لوگ اس کو یاد کرتے تھے ان کو خلفا کی طرف سے انعام دیا جاتا تھا، عزیز نے ایسے ۳۲ آدمیوں کو انعام دیا جنہوں نے یعقوب کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا اور ان کی تنخواہیں بھی مقرر کرا دیں، علاوہ اس کے سواری کو خچر، خلعت وغیرہ بھی دیئے اور ان کے لئے جامع الازہر کے پاس مکان تعمیر کرا دیئے، الغرض تشیع کے خیالات پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کی گئی، کچھ لوگ ایسے مقرر کئے گئے جو دربار میں بیٹھتے تھے اور بات بات میں افعال علومین کا ذکر کرتے تھے چونکہ فاطمیین سمجھتے تھے کہ عقیدۂ تشیع کی اشاعت سے ان کی قوت بڑھ جائے گی، اس لئے وہ چاہتے تھے کہ تمام رعایا شیعہ ہو جائے، وہ لوگ جو دوسرے ملک کے فقہ کا مطالعہ کرتے تھے، ان کو سزا دی جاتی تھی۔ چنانچہ ایک

شخص کے پاس امام مالکؒ کی موطا پائی گئی تو اس کو زدوکوب کیا گیا اور سارے شہر میں اس کی تشہیر کی گئی۔

یعقوب وزیر ایک یہودی تھا لیکن اسلام لانے کے بعد اس نے فاطمیین کا بہت ساتھ دیا اور اس کی وجہ سے ان کی تقویت بہت بڑھ گئی۔ المعز اور عزیز کے بعد جتنے فاطمی خلیفہ ہوئے سب نے اسی اصول پر عمل کیا، چنانچہ حاکم نے ایک کتب خانہ قائم کر دیا تاکہ لوگ وہاں تشیع کی کتابوں کا مطالعہ کریں۔

جب ۱۱۱ھ میں ظاہر خلیفہ ہوا تو اس نے جاری کر دیا کہ علاوہ شیعی فقہاء کے اور تمام فقہا نکال دیئے جائیں، اس وقت وہاں مالکی فقہا زیادہ تھے، چنانچہ وہ سب نکال دیئے گئے۔

ان کے فقہ کا ایک مسئلہ تھا کہ مرنے والے کی تمام جائداد اعزا میں تقسیم کی جائیگی لیکن اگر اس کے ایک لڑکی بھی موجود ہے تو وہی سب کی مالک ہوگی۔[2]

یہ مسئلہ صرف اسی لئے رکھا گیا تھا کہ فاطمیین اپنے حقوق کی برتری کو ثابت کریں کیونکہ رسول اللہ کے ایک ہی لڑکی جناب فاطمہؓ تھیں اور انہیں کی اولاد میں سے یہ لوگ تھے۔

خاندان فاطمی کے دور

جس طرح خلفائے عباسیہ پر تین دور گزرے ہیں، بالکل اسی طرح فاطمیین پر بھی تین زمانے گزرے۔ خلفائے عباسیہ کے پہلے دور میں اعراب اور ایرانیوں کا برابر درجہ تھا، اس کے بعد ایرانیوں کا اقتدار ہوا اور پھر ترکوں کا، اسی طرح فاطمیین کے عہد اول میں اعراب اور بربر دونوں برابر کا اثر رکھتے تھے، اس کے بعد اعراب کی قوت گھٹ گئی اور صرف بربریوں کا اثر رہ گیا، اور آخر میں ترکوں کا اقتدار قائم ہوا۔

---

[1] اثیر ۹-۴۲ [2] مقریزی ج ۱ ۱۱۰۱

اہل بربر نہایت سخت وجری تھے، اور شمالی افریقہ ان کا مسکن تھا، انہوں نے مغرب افریقہ میں فاطمیین کی بہت مدد کی، جس طرح ایرانیوں نے خلفائے عباسیہ کی مشرق میں، یہ ایک نہایت وحشی قوم تھی، اور ان کو زیر کرنے میں مسلمانوں کو بہت دقت ہوئی۔ بارہ دفعہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور بارہ دفعہ اس سے منحرف ہوئے، آخرکار پانچویں صدی کے آخر میں موسیٰ ابن ناصر کے عہد میں یہ لوگ استقلال کے ساتھ مسلمان ہو گئے چونکہ یہ لوگ بنو امیہ کی سختیوں سے نفرت کرتے تھے اس مسلمانوں کی جو جماعت بنو امیہ کے خلاف جنگ آزما ہوتی تھی یہ اس کا ساتھ دیتے تھے اسپین میں بنوامیہ کی حکومت دیکھ دیکھ کر یہ بہت جلتے تھے، اور انہوں نے بہت کوشش کی کہ فاطمیین ان کو مفتوح کر لیں لیکن وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئے بربریوں نے افریقہ میں اشاعت اسلام کی ویسی ہی گراں قدر خدمات انجام دیں جس طرح ترکوں نے وسط ایشیا میں۔

جب تک فاطمیین مغرب افریقہ میں رہے بربروں نے ان کی بہت مدد کی، اور عبیداللہ مہدی کے (فاطمیین کے اول بادشاہ) خروج کے وقت تیسری صدی کے آخر تک ان کی حمایت برابر جاری رہی جب ۲۹۶ھ میں عبیداللہ کی حکومت مستحکم ہو گئی تو اس نے اہل بربر میں سے وزرا، وارکین منتخب کئے، عبیداللہ کے بعد القائم بامراللہ (۳۲۲ھ) المنصور بنصراللہ (۳۳۴ھ) اور المعز لدین اللہ (۳۴۱ھ) کے عہد میں بھی اہل بربر کا عروج بدستور قائم رہا اور فاطمیین کی فتوحات بڑھتی رہیں۔ چنانچہ المعز کے عہد میں مصر بھی فتح ہو گیا، اور قاہرہ بنا کر اس کو دارالخلافہ قرار دیا گیا۔

جب ۳۶۵ھ عزیز المعز کا بیٹا تخت نشین ہوا تو اس نے دولت عباسیہ کی تقلید میں ترکوں اور دیلمیوں کو بلا کر ان کی عزت افزائی شروع کی، اس سے بربر اور ترک دونوں میں رقابت پیدا ہو گئی، لیکن یہ دشمنی کسی خوفناک نتیجہ تک نہ پہنچی تھی کہ عزیز کا دور حکومت ختم ہو گیا اور بجائے اس کے حاکم خلیفہ ہوا، اس نے پھر اہل بربر کی طرف توجہ کی اور ان پر زیادہ اعتماد کرنے لگا یہاں تک کہ اس نے ایک بربری ابن عمار کو وزارت کے درجہ تک پہنچایا، ابن عمار نے اپنی قوم والوں کو تمام ممتاز عہدے دینے شروع کئے، اور ترکوں اور دیلمیوں کو ستانے لگا۔ سلافی نسل کا ایک ذی اثر شخص برجوان ابن عمار کی جگہ کا عرصہ سے متمنی تھا، اس لئے ترکوں اور دیلمیوں کی جماعت متفق ہو کر اس کے پاس گئی، اور اس نے ان لوگوں کی مدد سے ابن عمار کو وزارت سے ہٹانے اور خود وزیر ہو جانے میں کامیابی حاصل کر لی، اب پھر ترکوں اور دیلمیوں کے عروج کا زمانہ شروع ہوا، اتفاق سے اسی زمانہ میں کسی خاص وجہ سے حاکم، ابن عمار سے برہم ہو گیا، اور اس کو قتل کرا ڈالا جس نے اہل بربر کی رہی سہی قوت کو بالکل ضعیف کر دیا، ترکوں کی قوت اور زیادہ ہو گئی۔ جب حاکم کے بعد ظاہر لاعزاز دین اللہ ۴۱۱ھ میں تخت نشین ہوا تو اس نے ترکوں اور دوسری مشرقی قوموں کی طرف اور زیادہ توجہ کی، اور رفتہ رفتہ اہل بربر کا اثر بالکل زائل ہو گیا، جب ۴۲۷ھ میں مستنصر تخت نشین ہوا تو اس کی ماں نے جو حبشی النسل تھی مستنصر کو ترغیب دی کہ وہ اس کے ساتھیوں کو فوج میں جگہ دے چونکہ ترکوں کی جماعت فوج میں پہلے سے موجود تھی اس لئے ان کو یہ بدعت ناپسند ہوئی، اور اس طرح ان دونوں میں عداوت بڑھی، اور باہم خونریزی اور جنگ و جدال کی نوبت پہنچی، یہ خانہ جنگی اور فوج کی برہمی اس حد تک پہنچ گئی، کہ

آخر کار خلیفہ کو امیر شام کی مدد حاصل کرنی پڑی، اور امیر الجیوش بدر الجمالی کی اعانت سے اس فتنہ کو فرو کیا، چونکہ بدر الجمالی آرمینیا کا باشندہ تھا اس لئے اب فوج میں آرمینیا والوں کا عنصر غالب ہونے لگا، اور اہل بربر کا اثر بالکل فنا ہو گیا[1]

یہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ سلجوقیوں کے عہد میں گورنری کا عہدہ زیادہ تر ان کے موالی کے ہاتھ میں تھا جن کو اتابک کہتے تھے، اور جنہوں نے آہستہ آہستہ خود مختارانہ حکومتیں مختلف مقامات میں قائم کرلی تھیں، انہیں میں سے ایک شخص نور الدین زنگی شام کا گورنر تھا، نور الدین کی فوج میں کُردوں کی بڑی جماعت تھی جس میں دو بھائی نجم الدین ایوب اور اسد الدین بھی تھے، اور دربار میں ان کا بہت اثر تھا، اس وقت مصر میں فاطمیین کا آخری خلیفہ عاضد ابن یوسف تخت نشین تھا، یہ نہایت ضعیف کمزور شخص تھا، ساری سلطنت متزلزل ہو رہی تھی، وزراء میں باہم جنگ چھڑی ہوئی تھی، اور سارا ملک ویران ہو رہا تھا، انہیں وزراء میں ایک شخص شاور بھی تھا جو مصر سے نکال دیا گیا تھا، یہ نور الدین زنگی کے پاس گیا، اور مدد طلب کی، نور الدین نے اس موقع سے فائدہ اٹھانا چاہا اور اسد الدین کو ملکوں کی ایک فوج دے کر مصر کی طرف روانہ کیا، جس نے پھر شاور کو وزارت دلوا دی، اور اس نے مصری محاصل زمین کا ایک ثلث بطور معاوضہ کے نور الدین کے سامنے پیش کیا۔

اسی زمانہ میں حروب صلیبیہ کی ابتدا ہوگئی اور نور الدین کو مصری معاملات میں زیادہ دخل دینے کی ضرورت محسوس ہوئی چنانچہ اس نے اسد الدین کو مع اس

[1] مقریزی ۱-۱۶

کے بھتیجے یوسف بن نجم الدین (جسے صلاح الدین ایوبی بھی کہتے ہیں) مصر کا عامل مقرر کیا، اسدالدین ۵۶۴ھ میں مرگیا اور اس سے اب مصر میں تنہا صلاح الدین رہ گیا صلاح الدین ایک بڑا ذی ہمت اور جری شخص تھا۔ اس لئے جب فاطمین کا آخری خلیفہ مرا تو اس نے فوراً خطبہ میں خلیفہ عباسیہ کا نام داخل کر کے گویا اپنی ایک سلطنت الگ قائم کرلی اور انتظامات شروع کردیئے اس وقت حروب صلیبیہ کا عروج تھا صلاح الدین نے نہایت وکامیابی کے ساتھ ان میں حصہ لیا، اور جس دلیری اور عزم کے ساتھ اس نے بیت المقدس سے عیسائیوں کو نکالا، وہ دنیا کی تاریخ کا ایک عجیب وغریب واقعہ ہے۔ اس کے ساتھ صلاح الدین نے اپنے اثرات شام اور دوسرے صوبوں میں بھی پیدا کرلئے اور اپنے خاندان کی ایک وسیع سلطنت جداگانہ قائم کرلی صلاح الدین نے اس وقت کے رسم کے مطابق فوج میں ترک اور سرکاشیا کے مملوکوں کو زیادہ جگہ دی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انہوں نے خود حکومت کا سودا پکانا شروع کیا۔ چنانچہ جب خاندان ایوبی کمزور ہوگیا، تو مملوکوں کے دو خاندان مصر میں حکمراں ہوگئے ایک ممالیک بحرین کا خاندان جس نے ۶۴۸ھ سے ۷۹۲ھ تک حکومت کی اور دوسرا ممالیک برجیہ کا جو ۷۹۲ھ سے ۹۲۳ھ تک حکمران رہا، یہ دونوں خاندان بھی خلیفہ عباسیہ کو اپنا پیشوا سمجھتے تھے جب تاتاریوں نے ۶۵۶ھ میں بغداد پر قبضہ کرلیا اور معتصم آخری خلیفہ کو قتل کردیا تو بقیۃ السیف شاہی خاندان کے لوگ مصری سلطان کی پناہ میں آگئے، اس وقت مصر میں الملک الظاہر حکمران تھا یہاں معتصم کے عزت کے ساتھ رہے یہاں تک کہ سلطان سلیم (عثمانی) نے ۹۲۳ھ میں مصر پر قبضہ کرلیا اور المتوکل نے جو بنو عباس کا آخری خلیفہ ہوسکتا تھا بہت سے تبرکات نبوی جو اس کے پاس تھے سلطان سلیم کے سپرد کر کے حق خلافت بھی

ی کو عنایت کر دیا اور اسی بنا پر آج تک سلطنت **عثمانیہ** کا فرمانروا تمام دنیائے اسلام میں **خلیفہ** اور امیر **المومنین** سمجھا جاتا ہے۔

تاتاریوں کا عہد

تاتاریوں کا اصلی وطن جنوب سائبیریا ہے یہاں کے لوگ بیکال جھیل کے چاروں طرف آباد تھے، ان کی ابتدائی تاریخ تاریکی میں ہے کیونکہ ان کے وجود کا علم صرف **چنگیز خاں** کی وجہ سے ہوا اور اس سے قبل انہیں کوئی نہ جانتا تھا۔ یہ لوگ بالکل وحشیانہ اور صحرائی زندگی بسر کرتے تھے، شکار اور لوٹ مار ان کا پیشہ تھا۔ **چنگیز خاں** سے قبل ان کو کوئی قومی اہمیت بھی حاصل نہ تھی، اور ان کی مجموعی تعداد زیادہ سے زیادہ چار لاکھ تھی **چنگیز خاں** نے بہت تھوڑی جماعت سے اپنے قرب و جوار کے ممالک پر حملہ کرنا شروع کیا اور دس سال کے عرصہ میں ایک وسیع سلطنت اس نے قائم کر لی **چنگیز خاں** کا باپ مغلوں کے تیرہ قبائل کا سردار تھا، اور خان مغل کے زیر اثر حکومت کرتا تھا، چنگیز خاں ۵۴۹ھ میں پیدا ہوا اور اس کا نام **تموجین** رکھا گیا، اس کی عمر چودہ سال کی تھی کہ اس کا باپ مر گیا، اور قبائل نے انحراف کرنا چاہا۔ لیکن وہ اسی عمر میں ان سے لڑا اور سب کو شکست دے کر اپنی **سیادت** نہ صرف قبائل سے بلکہ خان مغل سے بھی تسلیم کرالی۔ اس کی زندگی کی یہ پہلی جنگ تھی، جس میں اس نے فتح حاصل کی **تموجین** فطرتاً نہایت جفاکش محنتی، باہمت اور جری شخص تھا اور فنون سپہگری سے بھی واقف تھا اس نے اپنے تمام ساتھیوں میں اپنی صفات پیدا کر دیں، اور اس طرح ایک مختصر و نہایت مفید و کارآمد فوج طیار کر لی۔

خانِ مغل اس کی محاربانہ قابلیت سے بہت متاثر ہوا' اور اس کا رسوخ بہت بڑھتا گیا' اس پر خانِ مغل کے کچھ سردار اور امراء باغی ہو کر خان سے لڑے اور اس کو شکست دی' خان نے تموجین کی مدد حاصل کر کے پھر ان سب کو زیر کیا' اور اپنا تخت واپس لیا۔

اس کے بعد تموجین جنگوں کے ایک طویل سلسلہ میں مصروف ہو گیا' اور ہمیشہ وہ کامیاب رہا' جب تاتاریوں یا مغلوں نے اس کی اس بڑھتی ہوئی قوت کو دیکھا' تو سب ایک جگہ جمع ہوئے اور ایک سیاہ نمدے کے ٹکڑے پر جو ان کے تبرکات قدیمہ میں سے تھا بٹھا کر ان میں سے بعض آدمی بولے کہ "جو کچھ قوت تم نے حاصل کی ہے' وہ خدا کی طرف سے ہے' وہی تیری مدد کرے گا' اور وہی تجھے کامیاب بنائے گا' لیکن اگر تم حکومت میں انصاف سے کام نہ لیا تو تمہارا حال اسی نمدہ کے سیاہ ٹکڑے کی طرح ہو جائے گا اور قوم تم کو چھوڑ دے گی"۔ اس تقریر کے بعد سات سردار بڑھے' اور نمدے سے اس کو اٹھا کر تخت پر بٹھا دیا' اب گویا وہ باقاعدہ طور سے مغلوں کا بادشاہ قرار دیا گیا' ان لوگوں میں ایک ضعیف آدمی بھی تھا جو بہت بزرگ سمجھا جاتا تھا' وہ بڑھا اور بولا کہ بھائیو! میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ خدا اپنے بندوں کا فیصلہ کر رہا ہے' اور ساری دنیا کی حکومت ہمارے آقا کا حصہ قرار دی ہے' علاوہ اس کے یہ بھی ہدایت ہوئی ہے کہ وہ آئندہ سے چنگیز خاں (فرمانروائے عالم) کے نام سے پکارا جائے" یہ کہہ کر وہ تموجین کی طرف مخاطب ہوا کہ "اے بادشاہ میں تیری اطاعت کرتا ہوں اور آج سے تو چنگیز خاں کہلائے گا" اس کے بعد وہ اسی نام سے مشہور ہو گیا' جب چنگیز خاں نے اطمینان سے اپنے ملک میں ایک سلطنت قائم کر لی تو دنیا فتح کرنے کے عزم سے اٹھا اور سب سے پہلے چین کا رخ کیا' اس سے قبل تاتاری لوگ سالانہ خراج شاہ چین کو ادا کیا کرتے تھے' لیکن

چنگیز خاں نے اس کے ادا کرنے سے انکار کر دیا' اور اس طرح اس نے گویا اعلان جنگ کیا یہ اپنی فوج لے کر چین کی طرف بڑھا' دیوار چین کو توڑ کر اندرون ملک میں گھس گیا اور قتل و غارت شروع کر دیا' چینی اس وقت فنون جنگ سے واقف تھے' روغن نفط گولی بارود کا استعمال بھی جانتے تھے لیکن مغلوں کا یہ بڑھتا ہوا سیلاب اُن سے نہ رک سکا یہاں تک کہ چنگیز چین کے دارالامارۃ پیکن تک پہنچ گیا' اس کے بعد اس کی ہمتیں اور زیادہ بلند ہو گئیں چین سے واپس آنے کے بعد اس نے مغرب میں ممالک اسلامیہ کی طرف رخ کیا۔

اس وقت سلطنت اسلام نہایت کمزور و ضعیف حالت میں تھی بہت سی چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہو چکی تھیں اور کوئی مرکز باقی نہ رہا تھا' تاتاریوں کے ملک کے قریب خوارزم شاہیوں کی سلطنت تھی (یہ سلطنت حکومت سلاجقہ کی ایک شاخ تھی) اور علاؤالدین خوارزم شاہ کا عہد تھا' اس کے عہد میں سلطنت بہت وسیع ہو گئی' اور تمام عراق عجم' سجستان' کرمان' طبرستان' جرجان' خراسان' فارس' ماوراء النہر اس کے قبضہ میں تھے' اور پایہ تخت خوارزم میں تھا چنگیز خاں سات لاکھ فوج لے کر بڑھا' اور ترکستان فتح کر کے آگے چلا اور سخت مظالم کیے' چنگیز خاں کی برہمی کی وجہ یہ ظاہر کی جاتی ہے' کہ جب وہ ترکستان تک پہنچ گیا' تو اس نے چند تاجروں کو سمرقند و بخارا بھیجا تاکہ وہاں سے کپڑا لے آویں' یہ لوگ اترار میں پہنچے جو ترکستان اور تاتار کی سرحد پر واقع تھا اور یہاں خوارزم شاہیوں کا ایک وائسرائے رہا کرتا تھا جب تاجروں کے آمد کی خبر معلوم ہوئی تو اس نے خوارزم شاہ کو اطلاع دی' جس نے حکم بھیجا کہ ان کو قتل کر دیا جائے اور ان کا مال و اسباب ضبط کر لیا جائے۔ جب چنگیز کو یہ خبر معلوم ہوئی تو وہ سخت برہم ہوا' اور فوج

لے کر آگے بڑھا خوارزم شاہ نے مقابلہ کیا لیکن بیکار! چنگیز خاں نے
سارا ترکستان فتح کر کے آگے بڑھنا شروع کیا اور جہاں جہاں سے گذرا
لوگوں کو قتل کر دیا، شہروں میں آگ لگا دی اور سوائے خاکستر کے
کچھ نہ چھوڑا۔

الغرض چنگیز خاں نے رفتہ رفتہ اپنی سلطنت کو اس قدر وسیع کر لیا کہ
سکندر اعظم، نپولین، نادر شاہ اور جولیس سیزر کو بھی یہ بات
نصیب نہیں ہوئی، اس کی سلطنت بحر ہند سے شروع ہو کر بحر اسود پر
ختم ہوتی تھی، جس میں چینی، افغانی، ہندی، ایرانی، اتراک وغیرہ بھی کروڑوں
کی تعداد میں پائے جاتے تھے۔

چنگیز خاں ۶۲۴ھ میں ۲۲ سال حکومت کرنے کے بعد ۷۰ سال کی عمر
میں مرگیا، اس کے بعد سلطنت حسب رسم و رواج اس کے چار بیٹوں میں تقسیم
ہو گئی، اور اس طرح حسب ذیل چار سلطنتوں کی بنیاد قائم ہوئی۔

(۱) اقطائی	زنگاریہ وغیرہ میں	۹۰۳ھ سے ۱۰۴۳ھ تک
(۲) طلوی	منگولیا میں	۶۵۴ھ سے ۷۵۰ھ تک
(۳) جوجی	برقچاق وغیرہ میں	۶۲۱ھ سے ۹۰۷ھ تک
(۴) چغتائی	ماوراءالنہر میں	۶۲۴ھ سے ۷۶۰ھ تک

قائم رہی

اول خاندان بڑا زبردست تھا اور اس کا پہلا بادشاہ خود چنگیز خاں تھا
لیکن تاریخ اسلامی سے (چنگیز خاں کے بعد) دوسرے خاندان کا تعلق ہے، کیونکہ
تولو کا بیٹا ہلاکو تھا جس نے بغداد کا چراغ گل کر کے دولت عباسیہ کو
ہمیشہ کے لئے نیست و نابود کر دیا۔

ہلاکو اور زوال بغداد

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ بنو عباس کے آخری زمانہ میں سلطنت بہت کمزور ہو گئی تھی اور کثرت سے فرقہ بندیاں ہو کر ہمیشہ بازار جنگ گرم رہتا تھا۔ ہلاکو کے زمانہ میں المعتصم خلیفہ تھا جو نہایت ہی کمزور شخص تھا اس نے ایک شیعی کو جس کا نام مویدالدین تھا اپنا وزیر مقرر کیا، یہ شخص نہایت مکار اور فریبی تھا اسی زمانہ میں اتفاق سے پھر شیعہ سنیوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا اور المعتصم کے بیٹے ابوبکر نے کرخ پر حملہ کر کے جہاں شیعوں کی بڑی جماعت آباد تھی، بہت سے شیعیان علی کو قتل کر ڈالا مویدالدین کو یہ بات سخت ناگوار گذری اور اس نے اپنے بھائی کو ہلاکو کے پاس بھیجکر بغداد پر حملہ کرنے کی ترغیب دلائی، ہلاکو ایک بڑی فوج لے کر بغداد کی طرف بڑھا بغداد میں اس وقت صرف بیس ہزار فوج تھی یہ مقابلہ کے لئے بھیجی گئی۔ لیکن کوئی کامیابی حاصل نہ ہوئی اور آخرکار ہلاکو بغداد کے مشرقی ساحل پر خیمہ زن ہوا اور اپنے سرداروں کو مغربی ساحل پر قصر خلیفہ کے محاذ میں خیمہ زن کیا چونکہ خلیفہ اپنے وزیر کی چالوں سے اور اس کے مکائد سے واقف نہ تھا اس لئے اس کو ہلاکو کے پاس بھیجا کہ شرائط صلح طے کر دے یہ گیا اور ہلاکو سے خفیہ مشورہ کر کے واپس آیا، خلیفہ نے جب شرائط دریافت کیں تو اس نے نہایت مسرت سے کہا کہ [redacted] خلافت سے کوئی تعرض نہیں کرنا چاہتا بلکہ اپنی لڑکی خلیفہ کے بیٹے ابوبکر کے نکاح میں دینا چاہتا ہے، یہ سنکر خلیفہ چند سرداروں کے ساتھ ہلاکو سے ملنے گیا مویدالدین نے کہا کہ اس وقت خلافت کے تمام سرداروں اور مشہور آدمیوں کو بھی جانا چاہئے۔

چنانچہ سب ایک جگہ جمع ہو گئے تو ہلاکو نے سب کو تہ تیغ کر دیا اور مسلسل چالیس دن تک بغداد میں تاتاریوں نے اپنی لوٹ مار اور قتل و تباہی کو جاری رکھا، یہ واقعہ ۶۵۶ھ کا ہے اگرچہ اس واقعہ سے خلافت عباسیہ بالکل ختم نہیں ہو گئی کیونکہ بعض افراد خاندانِ خلافت مصر چلے گئے اور وہاں مملوک سلاطین کی حفاظت میں کچھ دن رہے اور ان کی وہی عزت کی گئی جو ایک خلیفہ کی ہو سکتی ہے لیکن عملی طریقہ سے خلافت کا خاتمہ زوال بغداد سے ہو گیا تھا جب ہلاکو بغداد کو لوٹ چکا۔ تو اس نے شام پر حملہ کیا جو اس وقت مملوک سلاطین کے قبضہ میں تھا، لیکن یہاں ہلاکو کو شکست ہوئی اور واپس آیا۔

تیمور لنگ

تیمور بھی چنگیز کی نسل سے ہے لیکن قدرا بعید فاصلہ سے اس کا دادا چنگیز کے بیٹے چغتائی کا وزیر تھا، یہ ۷۳۶ھ میں پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ یہ بھی عہدۂ وزارت تک پہنچا اس نے اپنے مالک محمود کو تخت سے اتار دیا اور خود حکمران بن کر چنگیز کی طرح دنیا فتح کرنے کے خیال سے اٹھ کھڑا ہوا، اس نے سات سال کے اندر خراسان، جرجان، مازندران، سجستان، افغانستان، فارس، آذربائیجان، کردستان کو فتح کر لیا اور پھر اس کے بعد عراق و بغداد پر قبضہ حاصل کر کے ہندوستان میں کشمیر اور دہلی تک پہنچ گیا لیکن چونکہ وہ ایک جگہ چین سے نہ بیٹھ سکتا تھا اس لئے پھر ایشیائے کوچک کی طرف چلا اس وقت یہاں عثمانی سلطان بایزید حکمران تھا تیمور نے ۸۰۴ھ میں اس کو مقید کر لیا، اور تمام حدود شام وغیرہ پر قبضہ کر کے سلطان مصر سے بھی طلب اطاعت حاصل کر لیا، اس کے بعد وہ چین کی طرف چلا

لیکن ۸۰۸ھ میں راستہ ہی میں اس کا انتقال ہوگیا' اور چونکہ مفتوحہ ممالک کا وہ انتظام نہ کرسکا تھا اس لئے وہ پھر سابق حکمرانوں کے قبضہ میں چلے گئے لیکن ماوراءالنہر میں خاندان تیموریہ کی حکومت ۹۰۶ھ تک قائم رہی۔

سلطنت عثمانیہ

یہ اس بیان ماسبق سے واضح ہوگیا ہوگا کہ تاتاریوں اور مغلوں نے کوئی مستقل سلطنت اپنے فتوحات کے سلسلہ میں قائم نہیں کی بلکہ ان کا مقصود صرف غارت گری تھی اور وہ اس کے بعد واپس چلے گئے۔

نویں صدی ہجری کی ابتدا میں جب تاتاری واپس چلے گئے' تو مصر اس وقت مملوک سلاطین کے قبضہ میں تھا شام کے ایک حصہ پر مصری سلطان کا قبضہ تھا اور دوسرے حصہ پر ایوبی خاندان کا' عراق فارس وغیرہ میں مختلف خاندان اپنی سیادت وحکومت کے لئے باہم دست وگریبان تھے اور ماوراءالنہر وافغانستان تیموری مغلوں کے قبضہ میں تھے اسپین میں اسلامی سلطنت کا خاتمہ ہوچکا تھا' صرف غرناطہ میں نصری خاندان کا تھوڑا سا اقتدار باقی تھا' جزیرہ نمائے عرب میں بہت چھوٹی چھوٹی ریاستیں قائم ہوگئی تھیں اور ہمیشہ ایک دوسرے سے لڑا کرتی تھیں' ایشیائے کوچک میں خاندان عثمانیہ اور خاندان سلجوقیہ کے چند باقی افراد کے درمیان نزاع جاری تھی' الغرض تمام سلطنتِ اسلام پارہ پارہ ہوگئی تھی' اور کوئی قوت ایسی موجود نہ تھی کہ ان سب کو یکجا کرکے منتشر ہوجانے والے شیرازہ کو یکجا کردے لیکن اس کے لئے ایک وقت مقرر تھا اور وہ وقت شروع ہوا ترکوں کے اس دور ثانی سے جب انہوں نے ایک طرف قسطنطنیہ فتح کرکے اور دوسری طرف

وانتا کا محاصرہ کرتے ہوئے ہسپانیہ کے حدود تک بڑھکر سارے یورپ میں لرزہ ڈال دیا، انہوں نے مشرق میں سارے عراق کو فتح کرلیا، اور دوسری طرف شام اور مصر پر قبضہ کر کے ایک وسیع سلطنت اسلامی پھر قائم کر دی۔

سلطان سلیمان (۹۲۶ھ ۔ ۱۵۲۰ء) کے زمانہ میں ترکوں کی سلطنت دریائے ڈینیوب سے دریائے نیل تک اور فرات سے لے کر جبل الطارق تک وسیع ہوگئی، اور تمام مغربی اسلامی ریاستیں ایک رشتہ میں منسلک ہوگئیں، چونکہ عثمانیہ خاندان کو روحانی مذہبی سیادت بھی مل گئی تھی، اس لئے اس کا قیام اس وقت تک پایا جاتا ہے۔

ایران میں صفویین نے البتہ ایک جداگانہ شیعہ سلطنت قائم کرلی جو اب تک موجود ہے لیکن زمانہ کی ترقی نے اب تفریق مذہب کے فضول نزاعات کو بہت کچھ مٹا دیا ہے اور اس لئے سلطنت عثمانیہ اور سلطنت ایران دو رقیب سلطنتیں نہیں سمجھی جاتیں، اور ایک حد تک دونوں میں اتحاد و اتفاق پایا جاتا ہے۔

تمت

کتبہ محمد حسین قریشی۔ اکھاڑا اینٹاں مسلم سٹریٹ نمبر ۲ لاہور

اللہ اکبر

تاریخ الدولتین

Sam

عہد بنی اُمیہ و بنی عباس پر مدلل و مفصل تبصرہ

بمعہ

مختصر حالات عہد نبوی و خلفائے راشدین